انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار کا ادبی رسالہ

معیار

(بانکی پور، پٹنہ)

مُرتّب
قاضی عبدالودود

مُعاون
آرزو جلیلی

تصویر:- ڈاکٹر ابوالحلم نظام الدین پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ

جلد ا شمارہ ۵ و ۶ — جولائی و اگست ۱۹۳۶ء

فہرست

شمار		صفحہ
۱	معروضات	۲۷۵
۲	تعارف	۲۷۶
۳	یادِ رفتگاں — میکسم گورکی از آرزو جلیلی	۲۷۷
۴	عرش گیاوی	۲۷۸
۵	افسانے — ایک ہونہار نوجوان از تماشائی	۲۷۹
۶	واپسی، از ولیم گرہارڈی (مترجمہ جناب محمد ادیب صاحب ایم اے)	۲۸۳
۷	عیاریاں، از د۔و۔ جیکبس (مترجمہ عطارد)	۲۸۸
۸	تمثیل — کیتھرین پارکر از موریس بیرنگ (مترجمہ متعلم)	۲۹۸
۹	نظم — انقلاب روزگار، از پریم پجاری	۳۰۴
۱۰	آثار ادبیہ — مثنوی میر حسن در وصف قصر جواہر	۳۰۵
۱۱	کلام سلیمان در تقت و طالب	۳۱۱
۱۲	اوراقِ پارینہ — دیوان ہمایون از جناب حافظ شمس الدین احمد صاحب ایم اے پروفیسر پٹنہ کالج	۳۱۳
۱۳	دریائے لطافت حصۂ عروض مصنفہ قتیل از ق ع د	۳۱۶
۱۴	دیوان راغب از ق ع د	۳۱۷
۱۵	غالب — پنج آہنگ از ق ع د	۳۲۱
۱۶	غالب کے دو لطیفے، از ق ع د	۳۲۳
۱۷	سراپا سخن اور غالب، از ق ع د	۳۲۳
۱۸	تذکرۂ سرور اور غالب از ق ع د	۳۲۵
۱۹	بہار و بنگالہ — ایک ایرانی مجتہد در عظیم آباد، از آقا بہبہانی (مترجمہ جناب سعد الدین احمد لمعی صاحب ایم اے)	۳۲۶
۲۰	بنگالہ کا پہلا گلدستہ نتیجۂ سخن از جناب حکیم حبیب الرحمٰن خان صاحب	۳۲۹
۲۱	مقالات — ایران جدید کے ادبی اور عمرانی رجحانات از جناب ڈاکٹر ابوالحلم محمد نظام الدین پی ایچ ڈی (مترجمہ جناب عبدالمنان صاحب بیدل ایم اے پروفیسر پٹنہ کالج)	۳۳۴
۲۲	سکندر اور ضحاک، از ق ع د	۳۴۳
۲۳	اندر سبھا کی متعلق چند غلط فہمیاں، از آرزو جلیلی	۳۵۰
۲۴	سنہ ۱۹۳۶ء کے ادبی مضامین	۳۵۷
۲۵	محاکمہ — دیوانِ معروف، از جناب یامین حسن خان صاحب خیال	۳۶۰
۲۶	تبصرۂ بہیل از ؟	۳۶۱
۲۷	دریائے لطافت، از ق ع د	۳۶۱
۲۸	ایک ایرانی مجتہد در عظیم آباد، از ق ع د	"
۲۹	شرف جہاں کا ایک شعر، از ق ع د	"

محمد علیم الدین پرنٹر اور پبلیشر نے برقی پریس پٹنہ میں چھپوا کر دفتر معیار واقع انجمن اسلامیہ ہال بانکی پور سے شائع کیا۔

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

-----◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈-----

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	ہماری زبان۔ جزاور جزو کی بحث از جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی	۳۶۲		صدیقی و جناب یامین حسن خاں صاحب خیال	
۳۱	ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں کو کا استعمال از جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی ایم اے پی ایچ ڈی، استاد ڈھاکہ یونیورسٹی و جناب ڈاکٹر عبدالستار	۳۶۶	۳۲	عالم ادب	۳۶۷
			۳۳	مطبوعات جدیدہ۔ دیوان تاباں، از ق ع د	۳۶۹
			۳۴	کلیم عجم از ؟	۳۷۵
			۳۵	استفسارات — از مہیش پرشاد صاحب مولوی فاضل صدر شعبۂ فارسی و اردو ہندو یونیورسٹی دہلی	۳۷۴

معذرت:- معیار کی پہلی جلد مکمل ہوگئی، اس میں ۴۴ صفحوں کی کمی ہے جو اسی سال پوری کر دی جائیگی، ہمیں افسوس ہے کہ معیار ابتدائے اشاعت ہی سے وقت پر شایع نہیں ہو رہا ہے، ہم پوری کوشش کریں گے کہ ستمبر کا پرچہ ستمبر ہی میں نکل جائے اور آیندہ سے رسالہ ہر ماہ وقت مقررہ پر شایع ہوا کرے۔ ستمبر کا معیار ۱۱۲ صفحات کے بجائے ۱۲۰ صفحات پر شایع ہوگا۔

شملہ کی برکھا:- ہمیں افسوس ہے کہ کاتب کی غلطی سے، جس کا علم پرچہ کے تیار ہو جانے کے بعد ہوا، اس نظم کے بندوں کی ترتیب غلط ہوگئی، پانچویں بند "ہر ایک شکل بر شکال، دیکھتی ہے ندرت میں کمال" کے بعد یہ بند درج ہے "یعنی تہ آتش دھواں، حیرت کنندہ اے مرداں" لیکن اس کے بند ہائے ذیل ہونے چاہئیں، چھٹا بند: "چھپتے ہوئے خرشید کی، اللہ ری جلوہ گری" ساتواں بند: "یہ سحر یا اعجاز ہے، یا اور کوئی راز ہے"۔ آٹھواں بند: "فطرت کی نادر کاریاں، کیا کیا کرے کوئی بیاں" ان بندوں کے بعد نواں بند "نیلا ابھی تھا آسماں" دسواں بند "لو پھر برس کر کھل گیا" گیارہواں بند "کچھ طور والی بجلیاں" بارہواں بند "چشم تماشا کے لیے"۔

تصحیح ص ۳۰۵ چمن گل سے مدت میں معمور ہے = ندرت ص ۳۳۲ س ۱۰ اشاذہ = تلامذہ ص ۳۳۵ س ۱۱ "کا آخری" کی آخری س ۱۱ زمانے کی = زمانے کی تصانیف ص ۳۴۶ س ۱ لے کر = لے کے ص ۳۴۲ س ۳ یقین = تعیین۔

انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار کی شاخ ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ جیلا ضلع پلاموں میں سید رضا قاسم صاحب اور دوسرے اصحاب کی کوششوں سے انجمن کی شاخ قائم ہوئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اور مقامات کے لوگ بھی انجمنیں قائم کر کے صوبے کی مرکزی انجمن سے ملحق کرالیں گے۔

معروضات

معیار نے اپنی زندگی کے چھ مہینے پورے کر لیے، معاصرین نے اس کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہو وہ نہایت حوصلہ افزا ہیں اور ہم اُن کے نہایت ممنون ہیں۔ بعض معاصرین نے معیار کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ اس کے نقائص کی طرف بھی ہمیں توجہ دلائی ہے۔

ایک معاصر کو شکایت ہے کہ معیار کے اغلاط کتابت کی تصحیح کے لیے غلط نامہ شامل کیا جاتا ہے، اور اغلاط کی تعداد بہت زیادہ ہے اس کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ ہمیں اس کا افسوس ضرور ہے کہ معیار اتنا صحیح نہیں چھپتا، جتنا ہم چاہتے ہیں، لیکن، یہ خیال صحیح نہیں کہ اور رسالوں کے مقابلے میں بہت زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں، ہم فخریہ نہیں، لیکن بیان واقعہ کے طور پر کہنا چاہتے ہیں کہ دو تین رسالوں کو چھوڑ کر، معیار سب سے زیادہ صحیح چھپتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دوسرے رسالے غلطیوں کی تصحیح کے لیے غلط نامے نہیں شائع کرتے، اس لیے سرسری نظر سے پڑھنے والوں کو غلطیوں کا علم نہیں ہوتا، اپنی غلطی کا اعتراف اور اعلان اگر جرم ہے، تو ہم اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔

لاہور کے ایک انگریزی روزنامے کو، معیار کی زبان پسند نہیں، اس کی دانست میں ثقیل عربی اور فارسی الفاظ معیار میں بہت استعمال ہوتے ہیں، یہ امر قابل غور ہے کہ اردو کے کسی رسالے یا اخبار نے معیار پر یہ اعتراض نہیں کیا، بظاہر اس روزنامے کا تبصرہ نگار، اس جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو اردو کی جگہ ہندوستانی کو رواج دینا چاہتی ہے، اور زبان سے، سوا ان عربی اور فارسی الفاظ کے جو عوام کی زبان پر ہیں، کل عربی فارسی الفاظ کو خارج کرنا چاہتی ہے، یہ صحیح ہے کہ صحیح و فصیح اردو نظم و نثر، عربی فارسی کا ایک لفظ داخل کیے بغیر لکھی جا سکتی ہے، لیکن، یہ ہمارا دعویٰ ہے کہ بغیر ان دونوں زبانوں کی مدد کے، اردو میں سنجیدہ علمی اور ادبی مباحث پر ایک سطر لکھنا بھی ناممکن ہے، یہ بات دوسری ہے کہ عربی فارسی الفاظ کی جگہ، سنسکرت کے اجنبی الفاظ استعمال کیے جائیں۔

ایک رسالہ جس نے معیار کی خوبیوں کی، دل کھول کر داد دی ہے، یہ سمجھتا ہے کہ بعض تبصروں میں تبصرہ نگاران معیار "حد سے تجاوز کر گئے ہیں"۔ مثال میں دیوان معروف، کا تبصرہ پیش کیا گیا ہے، جس کے آخر میں ۶ صفحے اغلاط کی تصحیح میں صرف ہو گئے ہیں۔ ہم اس رسالے کے فاضل مرتب کے نقطۂ نظر کا احترام کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ، معروف ایک مستند استاد ہے، جس کے کلام سے سند بھی دی جاتی ہے، اور جس کے اشعار اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے بھی ناقابل التفات نہیں، ایسے شاعر کے کلام کی تصحیح بے 'دیدہ ریزی' کے تو نہیں ہو سکتی، لیکن ان لوگوں کے لیے جن کے پاس مطبوعہ دیوان موجود ہے، یا جو اس سے استناد کرنا چاہتے ہیں، ہرگز فائدے سے خالی نہیں اور یوں تو کتابوں کی تصحیح کیا، خود تمام کتابوں کے متعلق، اناتول فرانس کا قول ہے کہ "کتابوں کے لکھنے سے کرم کلّے کی کاشت کرنا زیادہ فائدہ مند ہے"، اور اقبال کے نزدیک 'ذوق سخن'، کار بیکاراں ہے۔

"جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، انہیں مذاقِ سخن نہیں ہے"
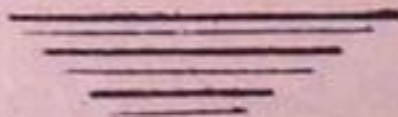
تعارف

میر حسن کی مثنوی جو الگ شائع ہو رہی ہے، اس کے ابتدائی اشعار جون کے پرچے میں چھاپے گئے ہیں۔ میر حسن نے چھوٹی بڑی دس مثنویاں لکھی ہیں، ان میں چار اب تک غیر مطبوعہ ہیں، معیار کو تین مثنویوں کی اشاعت کا فخر حاصل ہوا ہے، لیکن ان کی صحت کا انتظام جیسا چاہیے نہ ہو سکا۔ کلیات کا صرف ایک نسخہ ہمارے پاس تھا اور وہ بھی بہت غلط لکھا ہوا، تصحیح کے لیے ہمیں مجبوراً محض قیاس پر بھروسا کرنا پڑا۔ کلیات حسن کے کئی قلمی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں، کیا کوئی صاحب ان مثنویوں کی تصحیح کی طرف توجہ فرمائیں گے؟

طالب، سلیمان اور رقت کے اشعار دیوان صنعت سے ماخوذ ہیں، مصنف نے ان اشعار کی تضمین کی تھی، انہوں نے اس امر کی تصریح نہیں کی کہ یہ اشعار کن شاعروں کے ہیں، لیکن مقطعوں میں تخلص موجود ہیں، اور قرائن کہتے ہیں کہ طالب، حافظ طالب رام پوری ہیں، سلیمان شہزادہ سلیمان شکوہ، اور رقت، قاسم علی شاگرد جرأت۔

پنج آہنگ کے جس نسخے کا ہم نے تعارف کرایا ہے وہ ہمارے خیال میں پہلا اڈیشن تھا، لیکن مضمون کی کتابت کے بعد ہمیں جمیش پرشاد صاحب سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل کا بھی ایک اڈیشن ہے، یہ اس قدر کمیاب ہے کہ خود جمیش پرشاد صاحب کی نظر سے بھی نہیں گزرا ہے، اگر کسی صاحب کے علم میں اس کا کوئی نسخہ کہیں ہو تو براہ مہربانی ہمیں اطلاع دیں۔

آغا بہبہانی نے عظیم آباد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کی ایک قسط ابھی باقی ہے، انہوں نے فیض آباد، لکھنؤ، مرشد آباد وغیرہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی قابل دید ہے۔

حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب کے مضمون کی کتابت ہو چکی تھی کہ انہوں نے اس میں کچھ اضافہ کرنا چاہا، معیار کی طرف سے جو نوٹ ہے، وہ اسی وجہ سے ص ۲۳۳ کی جگہ ص ۲۴۳ کے آخر میں آگیا ہے، حکیم صاحب نے ان بہاری شعرا کی فہرست بھی بھیجی ہے جن کا کلام انہیں نتیجۂ سخن میں ملا ہے، یہ فہرست ستمبر کے معیار میں شایع ہوگی۔

ڈاکٹر ابوالحلم نظام الدین نے اپنا مضمون انگریزی میں لکھا تھا، ہم جناب بیدل کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست پر اس کا ترجمہ کر دیا۔

اندر سبھا کے متعلق جو مضمون ہے اس میں نام کے تذکرے کی عبارت نقل کی گئی ہے، اس میں ایک جگہ یہ الفاظ آئے ہیں "مثنوی میر انیس" ہماری رائے میں یہ کاتب کی غلطی ہے، "مثنوی میر حسن" ہونا چاہیے۔

'کیتھرین پارکر' اسی نام کی تمثیل کا ترجمہ ہے۔ 'عیاریاں' اور واپسی کے انگریزی نام "فرنڈ ان نیڈ" اور "دی مین ہو کیم بیک" ہیں۔

کلیم عجم کا تبصرہ بہت طویل ہو گیا، اس پر بھی تبصرہ نگار کا خیال ہے کہ بہت سی باتیں لکھنے سے رہ گئیں۔

یادِ رفتگاں

میکسم گورکی

روس کے شہرۂ آفاق افسانہ نویس گورکی نے ۱۸ جون ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا۔ اس کی پیدائش شہر نزنی نوگوروڈ میں ۲۶ مارچ ۱۸۶۸ء کو ہوئی، اس کا باپ رنگریز تھا۔ گورکی کے بچپن ہی میں اس کے والدین انتقال کر گئے۔ نو سال کے سن میں اس نے ایک جوتے کی دکان میں کام کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اس نے باورچی کا پیشہ اختیار کیا۔ کچھ دنوں تک جہاز پر کام کیا اور پھر مالی کا کام کرنے لگا۔ جب اس کا سن پندرہ سال کا ہوا، تو شہر قازان کے ایک اسکول میں اس نے نام لکھوایا۔ لیکن مجبوریوں کے باعث اسے اسکول سے علاحدہ ہو جانا پڑا۔ اب وہ نان بائی کا کام کرنے لگا۔

غرض گورکی نے ہمیشہ اسی قسم کی زندگی بسر کی۔ اسے باورچیوں، مالیوں، بھنگیوں، فقیروں، چوروں اور بدمعاشوں کے حالات پر غور کرنے کا کافی موقع ملا۔ گورکی نے اپنے ناولوں میں اسی قسم کے لوگوں کی زندگی کی مصوری کی ہے۔

اس نے اپنے کرداروں کے حالات اس فطری طریقے سے بیان کیے ہیں۔ اس کی تصانیف پڑھنے سے روس کے گنڈوں بھنگیوں اور گنواروں کی زندگی کا نقشہ ہماری آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

گورکی نے اس عہد میں جنم لیا جب روس میں ادبی اور سیاسی جدوجہد کا فقدان تھا۔ ترگنیف اور دوستووسکی کے انتقال کے بعد روسی ادب کا میدان سنسان ہو گیا۔ یہ کیفیت جنگ روس و جاپان کے زمانے تک قائم رہی۔ اسی بے حسی کے عہد میں روس نے چیخوف اور گورکی جیسے ادیب پیدا کیے، چیخوف اور گورکی کے افسانوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ چیخوف نے متوسط طبقے کے حالات لکھے ہیں۔ اس کے کرداروں میں ہمیں عموماً طلبہ، مدارس کے اساتذہ، تجار، مجسٹریٹ اور حاکم وغیرہ نظر آئیں گے۔ اس نے روس کے عہد بے حسی کا خاکہ کھینچا ہے، اس زمانے میں روسیوں کی یہ حالت تھی کہ انہیں کسی بات کی مطلق پروا نہ ہوتی تھی۔ ان کی بے حسی عروج پر تھی۔ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا۔ چیخوف کے افسانوں اور ڈراموں کے کردار، اسی قسم کے بے حس لوگ ہیں۔

گورکی کے افسانوں میں کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے، کشمکش حیات کے فطری مناظر، سماج کے باغیوں کا حوادث سے سربہ گریباں رہنا! گورکی، روسی افسانے میں ایک نئے طرز کا موجد ہے، اس نے روسی زندگی کے ایسے پہلو پر توجہ کی، جس پر اس کے قبل کے افسانہ نگاروں نے مطلقاً غور نہیں کیا تھا۔

اسی باعث روسی ادب میں گورکی کی بہت زیادہ عظمت ہے۔

گورکی کا پہلا افسانہ ماکر چدرا (Makar Ghudra) ہے جو رسالہ کوکاز (Ka\ Kaz) میں

میں شائع ہوا تھا۔ اس زمانے میں وہ شہر طفلس کے ریلوے کے کارخانے میں کام کر رہا تھا۔ گورکی کا اصل نام الکسی میکسیمووچ پیشکوو تھا۔ لیکن اس کا پہلا افسانہ "گورکی" کے نام سے شائع ہوا۔ اس نے اپنے افسانوں کے لیے یہی نام اختیار کرلیا تھا۔ آج تک وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۹۵ء میں اس کا ایک افسانہ "چلکاش" شہر پیٹرس برگ کے ایک رسالے میں شائع ہوا۔ اس کے دو سال کے بعد اس کے مختلف افسانوں کا مجموعہ چھپا۔

گورکی کی ادبی زندگی، دو دور میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ پہلے دور میں ۱۸۹۹ء تک اس نے صرف مختلف افسانے لکھے۔ ۱۹۰۰ء سے اس نے ناول اور ڈرامے لکھنے شروع کیے۔ اپنے ناولوں میں اس نے روسی زندگی کے نقشے کھینچے اور معاشرتی مسائل سے بحث کی۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے روس کی انقلابی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۰۷ء میں نے اٹلی کے ایک شہر کیپری میں سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۱۳ء میں وہ روس واپس آیا اور پیٹرس برگ سے ایک رسالہ "لی ٹوپس" نکالا۔ تندرستی خراب ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۲۲ء میں اسے جرمنی جانا پڑا۔ اس کے بعد اس نے سارینٹو (اٹلی کا ایک شہر) میں مستقل سکونت اختیار کرلی

اس کے چند مشہور ناولوں کے نام یہ ہیں:۔ بے خانماں (۱۹۰۲ء)، تین آدمی (۱۹۰۲ء)، مادر (۱۹۰۷ء)، ڈیکاڈنس (۱۹۲۷ء)، مقناطیس (۱۹۳۱ء)۔ اس کے اکثر ناولوں میں تعمیری خامیاں ہیں۔ لیکن اس نے روسی زندگی کی کامیاب مصوری کی ہے، اور اس کی ادبی عظمت محض ان خامیوں کی وجہ سے کم نہیں ہو سکتی مختلف افسانوں اور ناولوں کے مقابلے میں اس کے ڈرامے بالکل ناکام ہیں۔ اس نے اپنے حالات زندگی کئی جلدوں میں لکھے ہیں اور ایک روز نامچہ بھی لکھا ہے۔ یہ دونوں اس کی بہترین تصانیف میں ہیں۔

ضمیر احمد عرش گیاوی

ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت رنج ہوا کہ ماہ جولائی میں جناب عرش گیاوی کا انتقال ہو گیا ہمیں مرحوم کے پس ماندوں سے دلی ہمدردی ہے، عرش مرحوم پرانی طرز کے خوشگو اور کہنہ مشق شاعروں میں تھے، اور اس صوبے میں ان کا دم غنیمت تھا۔ نثر میں بھی رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے، ابتدا میں انہوں نے چند غزلیں شمشاد کو دکھائی تھیں اس کے بعد تسلیم کے شاگرد ہو گئے ان کی تصانیف سے حیات تسلیم، حیات مومن اور دیوان عرش شائع ہو چکے ہیں بعض کتابیں اور بھی ہیں جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہیں۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

بے داغ الم دل میں پھپھولا نظر آیا — اس نخل میں پھول آنے سے پہلے ثمر آیا
اک چھیڑ نکالی وہیں پیکان ستم نے — کچھ دیر کو بھی دل کا جہاں زخم بھر آیا
جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اسے چاہا — دل ہی تو ہے ظالم جدھر آیا ادھر آیا
اب رات نہیں صبح کے آثار ہیں ظاہر — بیدار ہوا اے عرش کہ وقت سفر آیا

افسانے

(۱) ایک ہونہار نوجوان از تماشائی (۲) واپسی از ولیم گرہارڈی مترجمہ محمد ادیب صاحب ایم اے۔
(۳) عیاریاں از و۔ ویکینس۔ مترجمہ عطارد۔

ایک ہونہار نوجوان

—————— (از تماشائی) ——————

میں جب ۱۹۲۲ء میں کیمبرج پہنچا تو وہ وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس کا دوسرا سال تھا اور میرا پہلا۔ کسی نے مجھے اس سے ملا دیا، اور اس نے مجھے ایک دن اپنے کالج لنچ پر بلایا۔ لنچ میں کچھ تکلف نہ تھا، وہی نفاست آمیز سادگی تھی جو کیمبرج کی زندگی کی جان ہے۔ میز پر شراب سپید کی ایک بوتل بھی تھی۔ قریب قریب پوری بوتل اسے خود ہی پینی پڑی، اس کے مہمان (تین شیول راوی) یا تو بالکل پیتے ہی نہ تھے، یا محض برائے نام۔ لنچ کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ برج کھیلا جائے جو بالاتفاق منظور ہوئی۔ میزبان نے یہ کہہ کر کہ میری ان کی ہار جیت نہیں، سب سے اچھے کھلاڑی کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ اس نے کئی بار اپنے ساتھی سے اس بات کی معذرت کی کہ وہ شراب زیادہ پی گیا ہے، اور اچھی طرح نہیں کھیل سکتا۔ یہ معذرت مجھے اور میرے ساتھی کو قطعی غیر ضروری معلوم ہوئی، کیونکہ ہماری دانست میں اس نے نہ کبھی غلط کول دی اور نہ کبھی غلط پتا چلا۔ سات بجے شام کو کھیل موقوف ہوا تو میزبان اور اس کے ساتھی نے ہم دونوں سے سترہ سترہ شلنگ جیتے تھے۔ ہم دونوں نے جیب سے روپے نکال کر ادا کرنا چاہے، لیکن اس نے یہ کہہ کر روک دیا کہ کل پھر کھیلیں گے، تم دونوں کو انتقام کا موقع دینا چاہیے، آج تمہاری قسمت بڑی خراب تھی۔ یہ بات طے ہوئی کہ دوسرے دن غزنوی کے یہاں لنچ رہے اور لنچ کے بعد تاش کھیلا جائے۔ دوسرے دن بھی دریا اور غزنوی ایک ساتھ ہو گئے، اور قسمت پھر ہمارے خلاف رہی، دونوں دن ملا کر ہم دونوں نے تیس تیس شلنگ ہارے جو ہم نے فوراً ادا کر دیے۔

اس کے بعد وہ ملے برابر ملاقات ہوتی رہی، اس کا انداز مربیانہ تھا، لیکن وہ کوشش کرتا تھا کہ یہ بات ظاہر نہ ہونے پائے، اس نے وہی مضمون لے رکھا تھا جو میں نے لیا تھا، وہ مجھے مشورے دیتا کہ کن لکچروں میں شریک ہوں، کن لکچروں میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں، کن سوسائٹیوں کا ممبر بنوں، لندن جاؤں تو کہاں قیام کروں، کس درزی سے کپڑے سلواؤں، کہاں جوتے بنواؤں، میں نوجوانان سعادت مند کی طرح اس "پیر دانا" کی باتیں سن لیا کرتا تھا۔ حالانکہ عمر میں وہ مجھ سے سال دو سال کم ہی ہوگا۔

کیمبرج میں مجھے رہتے ہوئے جب کچھ دن ہو گئے اور ملاقاتوں کا دائرہ وسیع ہو گیا تو وہ لوگ جو اپنے کو مردم شناس سمجھتے ہیں، ور ملکے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے، ایک صاحب مدتوں سے کیمبرج میں مقیم تھے، اس وقت تک کوئی امتحان انہوں نے نہیں پاس کیا تھا۔ جب ان سے کوئی ہمدرد اس بارے میں کچھ کہتا تو وہ پوپ کا مصرع پڑھ دیتے "دی پروپر اسٹڈی فور مین از مین کائنڈ" اور کہتے "آپ کو کیا معلوم کہ میں نے اتنے دنوں میں کیا کچھ سیکھا ہے، امتحان پاس کر لینا کوئی بڑی بات نہیں، اصل چیز مردم شناسی ہے"۔ ور ماان کی رائے میں پرلے سرے کا، خود غرض، کمینہ اور اسنوب تھا۔ اور اس سے زیادہ اتحاد خطرے سے خالی نہیں۔

"تم نے کبھی اسے ڈسلوا کے ساتھ بھی دیکھا ہے؟ اس کے ساتھ ٹہلتا ہے تو واقعی اس کا قد ایک دو انچ بڑھ جاتا ہے، اور ڈسلوا ہے کہ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا، میاں ورما اگر وہ گالیاں بھی دے تو شیر مادر سمجھ کر پی لینے کے لیے تیار ہیں۔ اور یہ سب اس لیے کہ وہ کرکٹ بلو ہے، آئینگر سے ورما کی ملاقات نہ تھی، ادھر اس کا آئی سی ایس میں کامیاب ہونا تھا، اور ورما کو علم ہوا کہ وہ میرے ہی صوبے میں جانے والا ہے، اس نے اس سے جس طرح ممکن ہوا ملاقات پیدا کی اور خاطر مدارات سے اس قدر راضی کر لیا کہ اس کا سب سے بڑا دوست ہو گیا ہے، ایک بار کا تمہیں واقعہ سناؤں، آئینگر دو ایک دن کے لیے لندن گیا، وہاں جا کر بیمار پڑ گیا، ورما ہر دوسرے تیسرے کیمبرج سے اسے لندن دیکھنے جایا کرتا تھا اور جب نہ جاتا، خیریت کے لیے جوابی تار دیتا، مجلس میں سب لوگوں کے سامنے وادیا نے اسے جس بری طرح ڈانٹا ہے، تم نے بچشم خود دیکھا ہو گا!"

وادیا ایک پارسی لڑکا تھا جو بڑے ٹھاٹھ سے رہا کرتا تھا، جس واقعے کی طرف شرما نے اشارہ کیا تھا، اس کا شاہد میں بھی تھا۔ اس کا محل وقوع لانبیز ہوٹل تھا، جہاں اس زمانے میں انڈین مجلس کے ہفتہ وار جلسے ہوا کرتے تھے، ابھی باقاعدہ کارروائی نہیں شروع ہوئی تھی، لیکن بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ پریزیڈنٹ کی کرسی کے پیچھے وادیا، کوسٹیلو، غزنوی وغیرہ فرش پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ورما اندر آیا، سب سے پہلے تپاک سے وہ وادیا سے مخاطب ہوا اور بے تکلفانہ انداز میں "ہلو کیکی" کہا، کیکی، وادیا کا پہلا نام تھا جس کی سوا اس کے خاص احباب کے کسی کو خبر نہ تھی، یہ سننا تھا کہ وادیا نے نہایت غضبناک ہو کر پوچھا: "سنس وھن ہیو آئی گون یو دی رائٹ ٹو کول می بائی مائی فرسٹ نیم"۔ (کب سے میں نے تمہیں اس بات کا حق دیا ہے کہ تم میرا پہلا نام لے کر مجھے پکارو؟) ورما تو بالکل ہکا بکا ہو گیا، ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہ نکلا، لیکن کوسٹیلو کو جو وادیا کا سب سے بڑا دوست تھا۔ یہ بات بہت ناگوار ہوئی، اور اس نے وادیا سے کہا: "میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے لیے اجازت کی ضرورت ہے، تمہارے بغل میں بیٹھنے کے لیے تو پہلے سے اجازت کی ضرورت نہیں؟ آؤ ورما، ادھر بیٹھو" کوسٹیلو وادیا کے بغل میں بیٹھا تھا، اس نے اپنی جگہ خالی کر دی، اور ورما کو زبردستی وہاں پر بٹھا دیا۔ اس واقعے کے بہت دن بعد جب میں وادیا سے بے تکلف ہو گیا تو اس کے واقعے کا میں نے ذکر کیا، اس نے کہا کہ "میں اب بھی جب اسے یاد کرتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے۔ کوسٹیلو کی خفگی بجا تھی، لیکن میرا غصہ بھی بے سبب نہ تھا، تم جانتے ہو کہ ساری دولت میرے والد کی پیدا کی ہوئی ہے، ان کا بچپن اور جوانی بڑی تنگ دستی میں کٹی ہے، انہوں نے میری تربیت خاص طور پر کی ہے، وہ بچپن ہی سے میرے کان میں یہ بات ڈالتے رہے ہیں کہ ان لوگوں کی قدر کروں جو بے غرض مجھ سے ملتے ہیں، اور غرض والوں کی دوستی پر بھروسا نہ کروں، ان کی یہ نصیحت رہی ہے کہ خوشامد ہر گز بے وجہ نہیں ہوتی، اور ضرورت سے زیادہ خوش اخلاقی ڈرنے کی چیز ہے"!

"ال اٹے ترو پولی پورا تر ادنیست" (وہ ضرورت سے زیادہ خوش اخلاق ہے، وہ ایماندار نہیں ہو سکتا) میں نے ایک فرانسیسی مقولہ اسے یاد دلایا۔

"یہ کس کا قول ہے؟ میرے دل کی بات چھین لی"۔

"مجھے مصنف کا نام یاد نہیں"۔ "لیکن، کیا تمہارا پہلا نام لے کر پکارنا بڑی خوش اخلاقی کی بات ہے؟"

"واقعہ تو سنو۔ یہ تو اونٹ کی پیٹھ پر آخری اسٹرا تھا، ورما سے مجھے زیادہ ملاقات نہ تھی، سوا صاحب سلامت کے کبھی بات چیت نہیں ہوئی۔ ایک دن بڑے اصرار سے اس نے مجھے لنچ پر بلایا، مجھے انکار کی کوئی صورت نظر نہ آئی، میں نے قبول کر لیا۔ جس دن اس نے مجھے بلایا تھا، صبح ہی بڑی برف باری ہو رہی تھی۔ جی میں آیا کہ کون گھر سے باہر نکلے، لیکن بادل ناخواستہ نکلنا ہی پڑا، میں نے اس کے یہاں پہنچ کر گھنٹی بجائی، لینڈ لیڈی کے بجائے خود ورما نے دروازہ کھولا، میرا اوور کوٹ اتار کر کھونٹی پر رکھا، اور کمرے میں لیجا کر سب سے آرام دہ کرسی پر آگ کے سامنے مجھے بٹھایا۔ میرا خیال تھا کہ اس نے اور لوگوں کو بھی بلایا ہو گا، لیکن یہ خیال غلط نکلا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانا آیا، اتنا کھانا اور ایسا کھانا کیمبرج میں تو مجھے کبھی کسی نے نہیں کھلایا تھا، اس پر طرہ یہ کہ شیمپین کی بھی ایک بوتل تھی۔

میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: "سم پیوپل ہیو اول دی لک ان دی ورلڈ"۔ (کچھ لوگ قسمت کے بڑے دھنی ہوتے ہیں)

"جی ہاں: دن کا وقت اور شیمپین! میں نے بہت منع کیا کہ نہ کھولو، وہ نہ مانا، اور مجھے بھی اس کی خاطر سے تھوڑی سی پینی پڑی۔ لیکن تم یقین کرو کہ شیمپین اور لنچ کی اس کی گفتگو کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہ تھی، تعجب نہیں کہ اسے سن کر میرا وزن بڑھ گیا ہو، خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہ تھا، لیکن جب گفتگو میں بار بار یہ جملہ آنے لگا کہ "یو آر دی اونلی فرینڈ آئی ہیو"۔ ممکن ہے کہ یہ شیمپین کا اثر ہو، لیکن میں بھی تو آخر آدمی ہوں۔ اس کا برداشت کرنا میری طاقت سے باہر تھا، اور قہوے کی پیالی ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں اس سے رخصت ہو کر چلا آیا، اجازت اس نے بڑی مشکل سے دی تھی، لیکن میری طبیعت کا انداز یہ تھا کہ اگر وہ اجازت نہ بھی دیتا تو اسے میں چھوڑ کر چلا آتا، مجھے چاہیے تھا کہ میں اسے اپنے یہاں بلاتا، لیکن بلانا تو بڑی بات ہے، اس کے سلام کا جواب بھی بڑی رکھائی سے دیا کرتا تھا، اس کے بعد اس کا اس قدر بے تکلف ہونا میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھے نہایت ناگوار معلوم ہوا، اور مجھ سے وہ حماقت سرزد ہوئی جس پر اب تک شرمندہ ہوں"۔

ورما کی حمایت کرتے ہوئے میں نے شرما کو یہ جواب دیا "آخر تمہارا اعتراض کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ورما کی دوستیوں میں غرض کا پہلو شامل ہوتا ہے اور ان کی بنیاد اتحاد ذوق پر نہیں، تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، آگے چل کر تم، ہم سب یہی کریں گے، ورما اگر سچ پوچھو تو قابل مبارکباد ہے کہ اسے اس کم سنی ہی میں اگر معلوم ہو گیا کہ دو چڑیوں کا شکار ایک ہی پتھر سے ہو سکتا ہے، دوستی کو اگر اپنے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جائے تو اس میں کیا مضائقہ کیا ہے؟ یہ انسانوں کی عام کمزوری ہے"۔

شرما کی نصیحت کے باوجود میں ورما سے ملتا رہا۔ اس نے وقتاً فوقتاً مجھ سے روپے بھی قرض لیے اور ہر بار وقت سے پہلے ادا کر دیا۔ زمانہ جوں جوں گزرتا گیا مجھے بھی اس کا احساس ہوتا گیا کہ گو ورما بددیانت نہیں، لیکن پرلے سرے کا کائیاں اور خود غرض ضرور ہے، ایک بار تعطیل میں قطعی فیصلہ ہو گیا تھا کہ وہ حلیم اور میرے ساتھ ایسٹ بورن چلے گا لیکن عین وقت پر اس نے آ کر کہا کہ "میں سوئٹزرلینڈ جا رہا ہوں آئنگر سے میں نے لاکھ کہا کہ میں تم سے اور حلیم سے ایسٹ بورن جانے کا وعدہ کر چکا ہوں، لیکن اس نے ایک نہ سنی"۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے جرم کے استخفاف میں یہ دلیل پیش کی "تم جانتے ہو آئنگر پنجاب جا رہا ہے اور مجھے بیرسٹری کرنی ہو، اس کی دوستی میرے لیے بڑی مفید ہو گی"

میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور حلیم کا مجھ پر زیادہ حق ہے، لیکن کیا کروں مجبور ہوں"۔ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ سہی، لیکن اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی۔ میرا اس کا ساتھ لندن میں بھی رہا، پہلی بار جو میں اس کے ساتھ تھیٹر گیا، تو میرا ٹکٹ بھی اسی نے خریدا، دوسری بار میں اسے اپنے خرچ سے تھیٹر لے گیا، تیسرے مرتبہ، اس نے ٹکٹ خریدنے کی آمادگی تو ظاہر کی، لیکن اس کا ہاتھ جیب کی طرف اتنا آہستہ آہستہ جا رہا تھا، کہ سنیما کی سلو موشن پکچرز کا لطف آ رہا تھا، جب تک وہ بٹوا نکالے میں نے ٹکٹ خرید لی تھی، چوتھی بار غلطی سے وہ بٹوا گھر ہی بھول آیا تھا، پانچویں مرتبہ جو اس نے تھیٹر ساتھ چلنے کی تحریک کی تو میں نے کہہ دیا کہ میرے پاس کافی روپے نہیں، اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "تم بہت تکلف کرتے ہو، تمہارے پاس نہیں ہیں تو کیا ہوا، میرے پاس تو ہیں"۔

ورما کو کیمبرج سے ڈگری مل گئی، لیکن قانون کے امتحان باقی تھے، اس نے کہا تھا کہ "دو برس اور رہوں گا، لیکن اس نے امتحان جلد ختم کر لیے اور ایک برس کے اندر ہی ہندوستان واپس چلا گیا، اس کو پانچ چھ مہینے گزرے تھے کہ ایک دن پٹی کیوری میں شرما سے ملاقات ہوئی، وہ ہیفر کی دکان سے باہر نکل رہا تھا، اور اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، جو بعد میں معلوم ہوا کہ پیرانڈیلو کے ڈراموں کا انگریزی ترجمہ ہے، شرما مجھے پٹی کیوری ہی کے کسی قہوہ خانے میں لے گیا، اور ملازمہ کو قہوہ لانے کا حکم دینے کے بعد یوں گویا ہوا:-

"تمہیں ورما کا آخری کارنامہ بھی معلوم ہے؟" میں نے جواب دیا کہ ہندوستان جاتے وقت وہ مجھ سے ملا بھی نہیں، شرما نے دریافت کیا کہ میرے روپے تو اس کے ذمے نہیں نکلتے تھے، یہ صاف بات تھی کہ شرما کو ورما کی ایمان داری میں شک تھا۔ اور میں نے اس کے شکوک کو دور کرنے کی کوشش کی۔

"یہ بات نہیں، ورما میں اور جو کچھ برائیاں ہوں، وہ بد معاملہ نہ تھا، مجھ سے اس نے بارہا قرض لیا، اور ہر بار وقت سے پہلے ادا کر دیا"

"تم نے کبھی انگریزوں کا یہ مقولہ بھی سنا ہے۔ "آونسٹی از دی بسٹ پالیسی"۔ ایمان داری کسی اخلاقی اصول پر مبنی تھی وہ محض اپنی ساکھ قائم کر رہا تھا کہ بعد میں اچھی طرح لوٹنے کا موقع ملے، تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ چلنے کے وقت کیمبرج کے مختلف دکان داروں سے اس نے ڈیڑھ سو پونڈ سے زیادہ کی چیزیں خریدیں، اور ایک پیسا ادا کیے بغیر ہندوستان روانہ ہو گیا، مجھے یقین ہے کہ اگر اسے موقع ملا ہوگا تو اس نے لندن کے دو چار دکان داروں کو بھی چرکے دیے ہونگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی دکان داروں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ قرض کا بیوہار نہ کیا جائے۔ مجھے یہ بات چھ سات روز ہوئے پہلے ہل اینڈ ایمیز کے یہاں معلوم ہوئی، میں نے وہاں پندرہ سولہ شلنگ کی ٹائیاں اور موزے خریدے تھے اور تین قمیصوں کا آرڈر دیا تھا، ویمس نے میرا آرڈر تو لکھ لیا، لیکن نہایت ادب سے کہنے لگا کہ "قیمت آپ اسی وقت ادا کریں گے یا جس وقت چیزیں آپکے یہاں پہنچ جائینگی؟" میں نے کہا کہ "میں کوئی نیا خریدار تو ہوں نہیں، آج تمہیں ہو کیا گیا ہے؟" میری آواز ذرا بلند ہو گئی تھی، منیجر قریب ہی تھا، وہ اور قریب آ گیا، اور اس نے مجھ کو کہا کہ "مسٹر شرما ذرا تکلیف کر کے آپ میرے آفس میں چلیں"۔ میں منیجر سے اچھی طرح واقف تھا، اس کے ساتھ آفس میں گیا تو اس نے ورما کا قصہ بیان کیا۔ ورما تین برس مسلسل اس دکان سے چیزیں خریدتا رہا، اور کبھی اس نے بل کے ادا کرنے میں ایک دن کی بھی دیر کی

کیمبرج سے ڈگری لینے کے بعد اس نے ان لوگوں کو کہہ دیا تھا کہ ابھی قانون کے امتحانات میں شریک ہونا ہے، کیمبرج میں ابھی دو سال قیام اور رہیگا، باوجود اس کے کہ اب یونیورسٹی کا ممبر نہ تھا، اس کا اعتبار اتنا تھا کہ یہ لوگ برابر اسے اُدھار دیتے رہے، جانے سے قبل ورمانے تیس پونڈ کی چیزیں کچھ بنوائیں اور کچھ بنی بنائی مول لیں۔ بل جب اس کے مکان پر بھیجا گیا تو لینڈ لیڈی سے معلوم ہوا کہ ورما ہندوستان چلے گئے ہیں۔ ورما کے بتائے ہوئے پتے سے اس وقت تک تین چار خط بھیجے جا چکے ہیں، لیکن دو خط اس وقت تک واپس آ چکے ہیں، ڈاکخانے والوں کو مکتوب الیہ کا پتا نہیں ملتا۔ میں نے خود رجسٹر منگوا کر دیکھا، ورمانے رہتک کا پتا دیا تھا، حالانکہ رہتک سے اس کو کوئی تعلق نہیں، میں نے منیجر سے کہا کہ تم حق بجانب ہو، اور آج سے میں تو عہد کرتا ہوں کہ بھولے سے بھی کسی دکان سے کوئی چیز ادھار نہ منگواؤنگا۔ منیجر نے مجھ سے بہت معذرت کی اور یہ کہا کہ میرا حکم آپکے لیے نہیں، آپ دکان سے حسب دستور چیزیں منگوا سکتے ہیں، لیکن میں نے اس رعایت سے فائدہ اٹھانا منظور نہ کیا، اس کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہارڈوک پلنڈ ریتھ، بیز، ایڈمس، ٹمرسل، نوکستر، ہنفر اسٹرٹن سب کے ساتھ ورمانے یہی سلوک کیا ہے، ان کے علاوہ اور دکانداروں کو بھی اس نے ڈنا ہے، کہاں تک سب کا نام لوں، میری تحقیقات ابھی مکمل نہیں، ہنفر کا تو ابھی پتا چلا ہے، اب آپ فرمائیں کہ ورما کی ایمان داری کے متعلق، آپ کی کیا رائے ہے“؟

میں نے ایک لمبا چوڑا خط ورما کو لکھا، ورمانے فوراً جواب دیا جو ذیل میں درج ہے۔ بعض فقرے حذف کر دیے گئے ہیں:۔

”تمہاری شکایت بجا ہے، ہندوستان ’جنت نشان‘ (جو لوگ اسے جنت نشان کہتے ہیں، میں ان کے تخیل کی عسرت پر حیران ہوں) کی فضا اور ہی ہے، جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیت سے یہاں آ کر انسان بالکل کاہل ہو جاتا ہے، ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور حوصلے پست ہو جاتے ہیں، تم میرے والد صاحب سے نہیں ملے، بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں، لیکن ذرا سی کسر یہ ہے کہ قوت متخیلہ سے بالکل محروم ہیں، انہوں نے میری تعلیم میں پچیس تیس ہزار روپے صرف کیے، واپسی پر قانون کی کتابیں منگوا دیں، اور ہائی کورٹ میں نام درج کرا دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ محض میری وجہ سے لاہور میں قیام اختیار کیا، اس کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کی ذمہ داری ختم ہو گئی، اور میں چھ مہینے کے اندر شادی لال، شیخ یا فضل حسین نہ بن جاؤں تو یہ میرا قصور ہے، تفصیل کہاں تک لکھوں، مختصر یہ ہے اگر والدہ صاحبہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ورما کو عبداللہ کے بدلے قینچی سگریٹ پینے پڑتے اور کلب کا خرچ نکالنا تو قطعاً ناممکن ہوتا سن چکے میری داستان! پھر بھی شکایت کرو گے کہ میں نے خط نہیں لکھا؟

اب اپنی اور شکایتوں کا جواب سنو:۔ دکانداروں کو دھوکا دینے کی میری نیت نہ تھی، جس وقت چیزوں کا میں نے آرڈر دیا بنک میں میرے ڈیڑھ سو پونڈ سے زیادہ موجود تھے، ایک تو والد صاحب ہی نے سفر کے اخراجات کے لیے کافی روپے بھیجے تھے دوسرے یہ کہ میں نے والدہ صاحبہ کو لکھ کر اور روپے منگوائے تھے، کیمبرج سے روانہ ہونے سے ایک دن قبل میں نے لائیڈز بنک سے کل روپے نکال لیے اور اپنا کھاتا بند کرا دیا، ارادہ تھا کہ دکانداروں کے روپے اسی وقت جا کر ادا کر دوں، لیکن گھڑی دیکھی تو یہ معلوم ہوا کہ لنچ کا وقت آ گیا ہے، میں نے اس کو تیسرے پہر کے لیے اٹھا رکھا، اور بس پر سوار ہو کر چیری ہنٹن روڈ پہنچا۔ گھر آ کر جو دیکھتا...

(اس افسانے کا بقیہ ... پر ملاحظہ فرمائیے)

واپسی

از ولیم گرہارڈی — ترجمہ محمد ادیب صاحب

مجھے جس عورت نے چائے پر بلایا تھا وہ نہایت حسین تھی، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ اس بات کو ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اس کے باپ کے سامنے، اس کی تصویر جو میرے ذہن میں ہے بالکل ماند پڑ گئی ہے۔ اس کا باپ غضب کا ذہین تھا، اور اس کا دماغ بڑی سرعت کے ساتھ کام کرتا تھا، یہ لوگ ایک سفید رنگ کے مکان (ولا) میں رہتے تھے، جو خاکستا کے دوسرے کنارے پر، سمندر سے قریب پائن کے جنگل کے درمیان تھا، تو تون سے وہاں پہنچنے میں کشتی کے ذریعے آدھ گھنٹہ صرف ہوتا تھا۔

وہ میرے آنے کے دو ہی ایک لمحے کے بعد آیا، وہ نہایت ضعیف اور بیمار تھا، اس کی مونچھ نیچے کی جانب جھکی ہوئی تھی، زیر پائیاں جو خواب گاہ کے لیے مخصوص ہیں، اس کے پاؤں میں تھیں اور اس کا گدی دار جیکٹ گلے تک بند تھا۔

یہ معلوم کرکے کہ میں ناول لکھتا ہوں اس نے خوش اخلاقی سے ادبیات کے متعلق گفتگو کرنا ضروری سمجھا وہ اپنی معلومات کا اظہار بڑے تعلّی کے ساتھ کر رہا تھا نہ اسے کوئی چیز روک سکتی تھی اور نہ کوئی اس کی گفتگو میں مداخلت کر سکتا تھا۔ اس کی بی بی بھی شاعرہ ہونے کی مدعی تھی، اس نے کئی بار اس بات کی قابل رحم کوشش کی کہ مجھے اپنے متعلق اخبارات کی حوصلہ افزا رائیں دکھائے، لیکن بالکل بے سود، بڈھے کو بہت کچھ کہنا تھا، اور ایک ذوق ادب رکھنے والے مہمان کے سامنے اپنی واقفیت کی نمایش کا جو موقع اسے ملا تھا، اُسے اپنی بی بی کی خود نمائی کی خاطر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی بی بی کے اشعار، جیسا کہ اس نے مجھے بتایا، محض ادنی درجے کے تھے، وہ بہت سخت بیمار تھا، اور ہر شخص دیکھ سکتا تھا کہ بولنا اس کے لیے تکلیف دہ تھا، لیکن اس کے باوجود خاموش رہنا اس کے لیے ناممکن تھا، اس کے مصنوعی دانت اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر کہتا تھا: "معاف کیجیے گا، میں ذرا لیٹ رہوں، میں فوراً ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اس کی بی بی ایسے ہی موقع پر کود پڑی تھی، اور اپنی نظموں کا ذکر کرنے لگتی تھی لیکن زیادہ دیر کے لیے نہیں بڈھا سوفے پر اپنے پاؤں کو سمیٹ کر بیٹھ گیا، اور پھر سلسلۂ گفتگو شروع ہو گیا۔ "عہد ایلی زبیتھ کا دوسرا شاعر جس کا میں دلدادہ ہوں ..." اس کا علم حیرت انگیز تھا، اس کے علم کی وسعت کل ممالک پر حاوی تھی اور بالکل ابتدا کے زمانے سے شروع ہو کر موجودہ زمانے پر ختم ہوتی تھی، انگریزی ادب میں چاؤسر کے وقت سے ڈیوڈ گارنٹ کے وقت تک کے مصنفین سے اسے واقفیت تھی، غیر معمولی بات یہ تھی کہ وہ انگریزی ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ پڑھنے میں وہ ایک ایک لفظ سمجھ لیتا تھا، لیکن انگریزی الفاظ کا تلفظ اس کے لیے مشکل تھا، اگر اچانک کوئی لفظ اس کی زبان پر آتا تو اس کا تلفظ غلط ہوتا تھا اس کا علم مجھے نہایت صحیح اور اس کی ناقدانہ رائیں منصفانہ معلوم ہوئیں، ہاں یہ ضرور تھا کہ مواد

کی فراوانی کی وجہ سے وہ کسی مصنف کے کمالات ذاتی کے متعلق اظہار رائے کی جگہ یہ پتا چلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اس پر کس کس کا اثر ہوا ہے۔

صوفیانہ شاعری کا ذکر آیا، تو میں نے اس کی رائے بقائے رُوح کے متعلق دریافت کی۔ وہ رُک گیا۔ جب سے وہ تخت پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھا تھا، اس سے پہلے وہ ایک لمحے کے لیے بھی خاموش نہیں ہوا تھا۔ اس کی بی بی نے چھوٹتے ہی کہا کہ "میں نے اپنی نظموں میں کوشش کی ہے..." لیکن بڈھے کے جوش و خروش نے اسے ٹھنڈا کر دیا: "نہیں میں اس کا قائل نہیں"*

صدمہ ہے کہ اس قدر مشقت سے جمع کی ہوئی علمی پونجی میرے مرجانے کے بعد خاک میں مل جائیگی۔ میں نے نہ تو کوئی کتاب لکھی ہے نہ کبھی ان کے متعلق کوئی لکچر دیا ہے۔ میری عمر ملازمت میں گزری ہے (وہ فرانسیسی کونسلر سروس میں تھا) اور مجھے شاذ و نادر ہی ایسے ذہین لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو میرے علم سے مستفید ہو سکتے۔ مجھے ایسے مواقع بھی کم ملے کہ میں اپنا علم دوسروں کے سامنے ظاہر کرتا، اس علمی سرمایے کا ایک لفظ بھی میرے بعد نہ بچیگا اور اگرچہ مجھے اس کا صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر نوشتہ قدرت کے مقابلے میں سوائے سر جھکانے کے چارہ ہی کیا ہے، اس پر بھی میں کتب بینی سے باز نہیں آتا۔ میں پڑھتا اس لئے ہوں کہ میں علم کا پیاسا ہوں، اور اس ضعیفی میں میرے لئے یہی ایک واحد ذریعہ تفریح ہے باوجودیکہ میری موت کے دن قریب آتے جاتے ہیں، میں پڑھے جاتا ہوں، بلکہ یہ معلوم کرکے کہ میری زندگی اب تھوڑی ہے میں اور زیادہ کتب بینی کرتا ہوں، انتہائی عجلت کے ساتھ مجھے ان باتوں سے آگاہی حاصل کرنی ہے جن سے میں اب تک نابلد ہوں، سوتے سوتے وقت تک پڑھتا رہتا ہوں، صبح کو اٹھنے کے ساتھ ہی پڑھنے میں مشغول ہو جاتا ہوں اور دن بھر پڑھا کرتا ہوں، کبھی کبھی میں اپنے آپ سے یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ "اب جب کہ میں سال دو سال سے زیادہ جی نہیں سکتا کیا کتابوں کے مطالعے سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟"

ایک برس کے بعد جب میں اس سے پھر ملا تو، اتنا بیمار تھا کہ بیٹھے بیٹھے بات چیت نہیں کر سکتا تھا، اور اس نے مجھ سے اجازت چاہی کہ لیٹے ہی لیٹے گفتگو کرے۔ دوران گفتگو میں وہ کبھی کبھی یکایک قلب پر ہاتھ رکھ دیتا تھا اور چپ چاپ ہو جایا کرتا تھا، افاقے کے بعد پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کرتا۔ "کومیڈی آف ہیومر" (ذرا عامیانہ تو ضرور تھی، لیکن یہ خیال کہ سیرت کی انفرادیت افادے سے نمایاں ہو جاتی ہے، بلاشبہ صحیح تھا، اور چیخوف کے سے وقت پسند مصنف جانتے تھے کہ محض کسی بات کے دہرانے سے نازک خصوصیات بھی ظاہر کی جا سکتی ہیں۔"

"اب تم سستاؤ، میں ہندوؤں کی ایک نظم کا جو ترجمہ میں نے کیا ہے سناؤں گی، مجھے یقین ہے کہ مسٹر......"

لیکن وہ بولتا ہی رہا، "شیلی کی شاعری کا موضوع مابعد الطبیعیات ہے، لیکن میں فرانسس ٹومسن کے ہونڈ آف ہیون (آسمان کا شکاری کتا) کو میں صوفیانہ نظم سمجھتا ہوں، اور اسپنسر کی فیری کوئین (پریوں کی ملکہ...) اس نے اپنے

* اس نے سوچ کر جواب دیا اور پھر ذرا ٹھہر کر وہ کہنے لگا "میں نہیں مانتا کہ روح موت کے بعد زندہ رہتی ہے۔ مجھے اس کا رنج ضرور ہے، لیکن کیا چارہ ہے مجھے بڑا رنج۔"

قلب پر ہاتھ رکھا اور دس منٹ تک خاموش رہا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ میرا کتب خانہ مکمل ہے، یہ خیال کر کے بڑی اذیت ہوتی ہے کہ میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔ ابھی ایسی کتابیں بھی ہیں جو میں نے اب تک نہیں پڑھیں، یہی وجہ ہے کہ میں رات دن پڑھتا رہتا ہوں، مجھے وقت کا مقابلہ کرنا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی ہوس ہے، لیکن یہ خیال کہ میں ایسی کتابیں چھوڑ جاؤں جو میری نظر سے نہیں گزری ہیں میرے لئے ناقابل برداشت ہے، کتابیں میری نظر میں انسانوں کی طرح ہیں" اس نے اپنے مصنوعی دانتوں کو جو کسی سرکش چڑیا کی طرح جسے کسی نے پنجرے میں بند کر رکھا ہو، ہر وقت باہر نکلتے آتے تھے، بڑی کوشش سے درست کیا۔ اور پھر گویا ہوا "اگر ہماری روح موت کے بعد باقی رہتی ہے، تو میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص کو اپنا بہشت اپنے دل کی خواہش کے مطابق بنانے کا موقع دیا جائے، اگر ایسا ہے تو میرے بہشت میں بڑے بڑے ہوادار کمرے ہونگے، جہاں بے شمار کتابیں ہوں گی، ان گنت کتب خانے، جہاں میں ہمیشہ کتابیں پڑھتا رہوں اور تنگی وقت کی کبھی شکایت نہ ہو"

"لیکن کس قسم کی کتابیں، یہی کتابیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں، بہت سی کتابیں ابھی ایسی ہیں جنہیں میں مرنے سے قبل ختم نہیں کر سکتا، وقت قریب آتا جاتا ہے"

میں رخصت ہو رہا تھا کہ اس نے میز پر جو پارسل رکھا تھا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"فارسی شاعری"

"اچھی کتابیں ہیں؟"

"ابھی تک پارسل کھلا نہیں، پھر ملاقات ہوگی تو بتاؤں گا"

اس کے بعد جو میں گیا تو رات کا وقت تھا ہفتہ پڑ رہا تھا (میرے چند دوستوں نے جو خاکنائے پر مقیم تھے، مجھے مدعو کیا تھا دعوت کی تاریخ مجھے غلط یاد تھی اور وہ آخری گاڑی جو تو ون جاتی تھی چھوٹ گئی تھی) ملازم نے کہا کہ بیبیاں ٹھہر کو گئی ہیں اور غالباً آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آئیں گی۔ میں کتب خانے میں ان کے انتظار میں ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد مجھے قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا، یہ آنے والا وہی بڈھا تھا جو وہی لباس پہنے تھا جس میں پہلی بار میں نے اسے دیکھا تھا، چاند کی روشنی میں جو برآمدے کے شیشوں سے گزر کر اندر آرہی تھی یہ ضعیف شخص بھوت کی طرح سفید معلوم ہو رہا تھا۔ یہ اپنی خواب گاہ سے کتب خانے میں کوئی کتاب لینے آیا تھا میں کھڑا ہو گیا، وہ بھی ٹھہر کر مجھے دیکھنے لگا۔ بعد ازاں الماری کی طرف جا کر اس نے دو بڑی بڑی جلدیں نکال لیں۔ اور پھر دروازے سے باہر چلا گیا۔ میں نے سمجھا کہ یا تو اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں، یا وہ خواب کی حالت میں یہاں چلا آیا تھا یا بیماری نے اس کی بینائی کو کم کر دیا تھا۔

صبح کے وقت جب اس کی بی بی اپنی لڑکی کے ساتھ تو ون سے واپس آئی تو میں نے اس سے کہا "آپ کے شوہر شب کو

کتابیں لینے کے لیے نیچے اُترے تھے، لیکن وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ یہ سن کر وہ مجھے تعجب کے ساتھ گھورنے لگی: "وہ تو تین ہفتہ ہوتا ہے جب کے دن انتقال کر گئے۔"

"میں نے تو رات انہیں دیکھا تھا، وہ دو کتابیں کتبخانے سے نکال کر ساتھ لے بھی گئے۔"

ہم لوگ فوراً اس بات کی تحقیقات کے لیے کتبخانے میں گئے۔ اس کی بی بی نے ان جلدوں کی خالی جگہ کو فوراً دیکھ لیا۔ اور فہرست دیکھ کر ان دونوں کتابوں کے نام بھی معلوم کر لیے۔ یہ لارڈ بائرن کے خطوط تھے، پہلی اور دوسری جلد

یہ ہے سارا قصہ۔ میں اس واقعے پر کوئی رائے زنی نہیں کرتا۔ بلکہ من وعن حالت جو کچھ دیکھی۔ بیان کر دیتا ہوں، اگر آپ لوگ مجھے مخبوط الحواس سمجھتے ہیں، تو مہربانی فرما کر کسی ڈاکٹر سے میرا طبی معائنہ کرائیے، اگر ڈاکٹر دیکھ بھال کے بعد مجھے صحیح الدماغ قرار دے اور آپ اس بنا پر یہ سمجھیں کہ اس کا دماغ خود مختل ہے تو پھر اس کے لیے کسی پروفیسر کو بلائیے۔

خاتمہ "ہونہار نوجوان"

ہوں تو جیب میں بٹوا نہ دارد، کسی نے جیب سے نکال لیا۔ یا خود بخود گر پڑا۔ لنچ کھانے کا کسے حواس تھا، فوراً گھر سے نکلا اور بس اسٹینڈ تک بٹوا تلاش کرتا ہوا گیا، لیکن نہ معلوم کہاں گرا تھا، کچھ پتا نہ چلا۔ اس کے بعد میں نے فوراً لوسٹ پروپرٹی آفس کو اطلاع دی اور پولیس کو بھی خبر کر دی کیمبرج اور لندن دونوں جگہ کا پتہ دے دیا کہ اگر پتا چلے تو مجھے فوراً اطلاع دیجائے، دوسرے دن سخت پریشانی کے عالم میں لندن پہنچا، بجائے اس کے کہ کیمبرج میں کسی سے قرض لوں یا لندن میں کسی کو تکلیف دوں، میں نے گھر تار دیکر ۳۰ پونڈ اور منگوائے، ٹکٹ میں نے پہلے ہی سے خرید رکھا تھا، لندن میں دو چار روز اور ٹھہر سکتا تھا، لیکن طبیعت بالکل اچاٹ تھی جلد از جلد وہاں سے روانہ ہو گیا، پیرس میں بھی نہ اترا سیدھا مارسیلز پہنچا اور جہاز پر سوار ہو گیا، دکان داروں کو روپے ادا کرنا خارج از بحث تھا، ڈیڑھ سو پونڈ محض تار دے دینے سے تو آ نہ جاتے، خیال آیا کہ چیزیں واپس کر دوں، لیکن کل سامان میں نے پہلے ہی لندن روانہ کر دیا تھا، اور وہ چیزیں جو خاص میری فرمائش سے بنی تھیں وہ دکانداروں کے لیے بیکار بھی ہوتیں، "تم میری جگہ پر ہوتے تو کیا کرتے؟" یہ اعتراف کہ میں نے اصلی پتا نہیں بتا بہت مضحکہ خیز ہے، میرے والد صاحب جس زمانے میں، میں نے اپنا پتا دیا ہے، رنجنگ ہی میں تھے، اب پنشن لیکر لاہور میں مقیم ہو گئے ہیں، رنجنگ کا خط اگر لاہور نہ پہنچے تو میرا کیا قصور؟ تم میرا نیا پتا سب کو دے دو اور جس جس کے یہاں جانا ہو، میری طرف سے اطمینان دلا دو کہ جہاں تک جلد ممکن ہو گا میں روپے ادا کر دونگا۔ آینگر ابھی فیصلے میں ہے، اس کے اجلاس میں، میں کئی بار کام کر چکا ہوں، لیکن اب وہ آینگر نہیں۔ تفصیل کسی دوسرے وقت، تمہارے واپسی کے دن بھی اب قریب آ گئے تمہیں اگر زیادہ تکلیف نہ ہو تو دو تصویریں لیتے آنا، قیمت میں یہاں آ وگے تو ادا کر دونگا، ایک تو وہ تصویر ہے جو میں نے مٹی کے ساتھ کھنچوائی تھی دوسرا اس ڈنر کا گروپ ہے، جو میں نے اس کے کیمبرج سے رخصت ہونے کے وقت آینگر کو دیا تھا، میں یہ دونوں تصویریں ساتھ لایا تھا، لیکن راستے میں وہ بکس ہی غائب ہو گیا جس میں یہ تصویریں تھیں۔۔۔۔"

میں نے یہ خط شرما کو سنایا، وہ دیر تک ہنستا رہا، جب اسے ہنسی سے افاقہ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا: "تمہارا پیر انڈیلو اس معاملے میں کیا کہتا ہے؟ ورما ایماندار ہے یا بے ایمان؟" "یہ تو مجھے علم نہیں کہ پیر انڈیلو کیا کہیگا، لیکن یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ ورما تمہیں کیا سمجھتا ہے، اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں" لوگ کہتے ہیں کہ "علم شے" باز جہل شے"، لیکن میں نے یہ معلوم کرنے کی بالکل کوشش نہ کی کہ ورما مجھے کیا سمجھتا ہے۔

عیّاریاںؔ

از ڈ ۔ ڈ جیکبس
مترجمہ عطارد

جوزف گبس نے رڈ لائن (شراب خانے کا نام) کے پرائیوٹ بار (شراب خانے کا وہ حصہ جہاں زیادہ ہجوم نہیں ہوتا) میں اپنا نصف پائنٹ اتنا ٹھہر ٹھہر کے ختم کیا کہ گویا یہ آخری گلاس ہے جو وہ پی رہا ہے اور اس کی خبر نہیں کہ آئندہ کہاں سے آئیگا۔ اس نے گلاس کو تختے پر رکھا، پڑیا سے تمبا کو نکال کر پائپ بھرا اور اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے سر ہلانا شروع کر دیا۔

"صبح دس بجے سے یہ پہلا گلاس ہے جو میں نے پیا ہے"۔ اس نے کرخت آواز میں کہا۔

"ہمت ہارنی نہیں چاہیے" جورج براؤن نے مشورہ دیا۔

"یہ حالت ہمیشہ نہ رہیگی" بوب کڈ نے ہمت بڑھانے کے لیے کہا۔

"میں کسی سے کچھ مانگتا تو ہوں نہیں، صرف یہ چاہتا ہوں کہ کام ملتا رہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں کام چاہتا ہوں غلامی نہیں"۔ گبس نے زور دار لہجے میں کہا۔

"ان دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے"۔ براؤن نے جواب دیا۔

"بعض لوگوں کے لیے تو خاص طور پر مشکل ہے۔" کڈ نے اضافہ کیا۔

"کہہ لو، بھائی جو کہنا ہو، میں بھلا مانوں یا بُرا تمھیں کیا کام! نصف پائنٹ بیر پلائی ہے نہ، تمہارا حق ہے! کل دو بار جی میں آیا کہ ذرا یہ تو دیکھوں کہ پانی میں ڈبکی لگانے میں کیا لطف ملتا ہے"۔ گبس اداس ہو کر زبان لایا۔

"بہت سے لوگ ڈوب کر جان دیدیتے ہیں"۔ براؤن نے سوچ کر کہا۔

"اور بی بی بچوں کو فاقہ کشی کے لیے چھوڑ جاتے ہیں"۔ گبس نے بڑی رکھائی کے ساتھ اضافہ کیا۔

"اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ بی بی کی حالت پہلے سے بہتر ہو جاتی ہے، کچھ اور نہ سہی، تو ایک کھانے والا ہی کم ہو جاتا ہے۔ چندے سے بھی کچھ نہ کچھ وصول ہی جاتا ہے، بڈھا بل مرا تو کنگز ہیڈ (شراب خانے کا نام) میں یاروں نے جلسہ کر کے سترہ پونڈ اس کی بی بی کے لیے جمع کر ڈالے"۔ اس کے دوست نے جواب دیا۔

"تمھاری بڑھیا کے لیے اس سے زیادہ ہی مل رہیگا، بال بچے تو ہیں نہیں، بڑے آرام سے گزریگی، کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں تمھیں خودکشی کی ترغیب دے رہا ہوں" کڈ نے کہا۔

گبس کی پیشانی پر بل آ گیا، گلاس کو ٹیڑھا کر کے اس کے اندرونی حصے کو دیکھنے لگا۔

"میاں جو پانی میں ڈوبنے والے لوگوں میں نہیں، بیر ہوتی تو . . . " براؤن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
گبس کا قد تو صرف ۵ فیٹ ۲ انچ تھا، لیکن وہ تن کر کھڑا ہوگیا، اور اپنے دوست پر خشم آلود نگاہیں ڈالنے لگا۔
"میں یہ سوچتا ہوں کہ ڈوب مرنے کی بالکل ضرورت نہیں، صرف اس کو شہرت دے دینا کافی ہے، اس کے بعد جو چندہ ہو وہ آپس میں بانٹ لیں"۔ کڈ نے یہ تجویز پیش کی۔
"ہاں ہاں، تین حصے برابر کرلیں گے، مگر اس کی صورت کیا ہوگی؟" براؤن نے سوال کیا۔
"ارے میاں تھوڑی بیر اور پیو، کوئی نہ کوئی بات سوچ ہی لیں گے" کڈ بولا جو فرط جوش سے پیلا پڑ گیا تھا۔ تین گلاس بیر اور منگوائی، کڈ اور براؤن نے تو اپنے اپنے کوزے اٹھا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا، لیکن گبس اپنے کوزے کے دستے سے کھیلتے ہوئے بولا۔
"میں وعدہ نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھو کہ بیری کر میں اپنا قول دے رہا ہوں، جو تم سب باتیں مجھ پر چھوڑ دو"۔ کڈ نے کہا۔
گبس راضی نہ ہوتا تھا، لیکن بیر آتی رہی، اور اپنا کام کرتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کل باتیں آپس میں طے ہوگئیں، دوسرے دن براؤن دو تین دوستوں کے ساتھ اسی شراب خانے میں بیٹھا تھا کہ کڈ طوفان کی طرح داخل ہوا۔ اس کے بدن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ ایک بنچ پر پڑ گیا اور زور زور سے سانس لینے لگا۔
"کیا ہوا؟ کیا بات ہے"۔ کئی آدمیوں نے پوچھا۔
"جو بیچارہ ڈوب گیا! میں اسمتھ کے لکڑی والے گھاٹ کو اپنی جگہ سے ہٹا رہا تھا کہ جو مدد دینے کے لیے آگیا۔ وہ اسے پاؤں سے ڈھکیل رہا تھا کہ . . " کڈ بولتے بولتے یکایک رک گیا، اس پر لرزہ طاری تھا۔ وہ بیر کا ایک کوزہ جو کسی نے اس کی نذر کیا تھا، آہستہ آہستہ پینے لگا، اس درمیان میں برانڈی کا ایک گلاس آرہا تھا، جو اس کے لیے کسی دوست نے منگوایا تھا
"یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوگیا، جب تک میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچوں، وہ تیسری بار نیچے جا رہا تھا میں نے نیچے لٹک کر اسے پکڑ لیا۔ کولر اور ٹائی میرے ہاتھ میں آگئی، میں خود گرتے گرتے بچا"، کڈ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
کڈ نے کولر اور ٹائی لوگوں کو دکھائی۔ وہ بیرے کے گرد سٹ کوٹ کے بیچ والے بوتام تک بھیگا ہوا تھا۔ لوگوں کو یہ بات پسند آئی (کہ اس نے اپنے دوست کو بچانے کی کوشش کی)
"یہ غریب تو ابھی آدھا گھنٹا ہوا یہیں تھا" شراب خانے کے مالک نے کہا۔
ایک گاڑی والا بولا کہ "اب اسے بیر پینا نصیب نہ ہوگا"۔
"یہ کون کہہ سکتا ہے؟ میں نے کبھی کوئی بات اس کے خلاف نہیں سنی، جہاں تک میں جانتا ہوں وہ اچھی زندگی بسر کرتا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اب وہ بیر نہیں پیے گا"۔ مالک شراب خانہ نے تند ہو کر جواب دیا۔

اس نے کڈ کو برانڈی کا ایک چھوٹا گلاس اپنی طرف سے دیا، اور یہ پوچھا کہ بی بی بچے تو نہیں چھوڑے؟

"بی بی کے سوا اور کوئی نہیں" اس بیچاری کے پاس یہ خبر کون لے جائیگا؟ وہ تو اس پر جان دیتی تھی، اس کی بسراوقات کا کیا سامان ہوگا؟ مجھ سے تو جو کچھ ہو سکتا ہے کرنے کو تیار ہوں"۔ کڈ نے کہا۔

"میں بھی تمھارے ساتھ ہوں"۔ براؤن بولا۔

گاڑی والے نے رخصت ہوتے ہوئے کہا کہ کچھ نہ کچھ کرنا ضرور چاہیے۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔ پولیس کا کوئی آدمی مسز گبس کو بھی خبر کردیگا۔ ان لوگوں کو مشاہرہ اسی کا ملتا ہے"۔ مالک شراب خانہ نے تجویز پیش کی۔

"یہ حادثہ اس قدر اچانک ہوا ہے کہ میرے تو اوسان جاتے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے گھر میں ایک دھیلا بھی نہ ہوگا جو کے دوستوں کی کمی نہیں، روپے کا کسی نہ کسی طرح سامان کرنا چاہیے"۔ کڈ نے کہا۔

"میاں، پہلے پولیس کو تو اطلاع دو، اور باتیں پیچھے ہوتی رہیں گی"۔ مالک شراب خانہ نے ہونٹ دباتے ہوئے کہا۔

کڈ نے گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا اور براؤن کے ساتھ تھانے میں گیا۔ پولیس نے اس خبر کو اس طرح سنا کہ گویا بالکل معمولی واقعہ ہے، یہ دیکھ کر ان دونوں کو بڑا اطمینان ہوا اور تیزی سے لندن برج سے گزرتے ہوئے ایک پست قامت شخص کی طرف چلے جو بورو مارکٹ میں ایک کھمبے سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔

"کہو کیا ہوا"؟

"سب ٹھیک ٹھاک ہے، ہم لوگوں نے بیج لگا دیا ہے"۔ کڈ نے جواب دیا

"کیا لگا دیا ہے؟" گبس نے دریافت کیا۔ کڈ نے سب باتیں سمجھائیں۔

"جب تک یہ درخت اُگے اور پھل پھول لائے، میرا کیا حشر ہوگا؟ سونے کا کیا انتظام ہوگا، اور کھانا کہاں سے ملے گا؟ میں گھر تو جانے سے رہا"۔ گبس نے کہا۔

براؤن اور کڈ نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا، دوسری باتوں نے انہیں اس قدر بوکھلا دیا تھا کہ وہ ان باتوں کو بالکل بھول ہی گئے تھے۔ گبس کی عادات کے طویل اور تکلیف دہ تجربے نے انہیں سمجھا دیا کہ معاملات کا رخ کس طرف ہے۔

"تمھیں سونے کا انتظام دریا کے اس پار ہی کرنا پڑیگا۔ کسی قہوہ خانے میں یا کہیں اور جگہ مل رہیگی اور تمھارا سا چلتا پرزہ اگر اپنی آنکھیں کھلی رکھے تو اس کے لیے پیسے حاصل کرلینا کوئی بڑی بات نہیں"۔ براؤن نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔

گبس ہنسنے لگا۔

یہ خیال رہے کہ اس درمیان تم جو روپے ہم لوگ تمھیں قرض دینگے وہ تمھیں اپنے حصے میں سے واپس کرنا ہوگا، اور یہ بھی یاد رہے کہ

جب تک تم اپنی مونچھیں نہ منڈواؤ گے، ایک دھیلا تمھیں نہیں مل سکتا۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی تمھیں پہچان لے، اور راز طشت از بام ہوجائے"۔ کڈ نے ہنسی کے جواب میں جھنجلا کر کہا۔

گبس اپنی پیٹھ کھمبے سے اڑائے تقریباً آدھ گھنٹے تک اپنی مونچھوں کے لیے لڑتا رہا۔ بڑی رد وکد کے بعد وہ راضی ہوا۔ دونوں دوست اسے حجام کی دکان میں لے گئے اور بڑے غصے اور بددلی سے اس نے داڑھی مونچھ دونوں مونڈ دینے کی درخواست کی۔ گبس نے اپنے بے ریش وبروت چہرے کو آئینے میں دیکھا تو اس کی افسردگی اور بڑھ گئی، تعجب سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، کڈ اور براؤن کی خوش اخلاقی پر اُن کا تحیر غالب آگیا۔

"اب یہاں آگیا ہوں تو سر کے بال بھی کٹوالوں"۔ گبس نے دیر تک اپنے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"اور شیمپو بھی؟" حجام نے سوال کیا۔

"جیسی تمھاری خوشی، مگر یہ ہے کیا بلا؟" گبس نے جواب دیا۔ اس کے مالی مددگار ہزار مخالفت کرتے رہے، لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

جب تک حجامت ہوتی رہی، اس کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس حیرت میں ہے کہ کس عذاب میں مبتلا ہوا۔ جب اس سے فراغت ہوئی تو اس نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ طبیعت بہت ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ گویا ایک بڑا بوجھ سر سے اترا۔ دوستوں نے اس اطلاع کو کامل خاموشی کے ساتھ سنا۔ تھوڑی دیر تلاش کرنے سے انھیں ایک شراب خانہ مل گیا جہاں زیادہ شور وہنگامہ نہ تھا۔ اس کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ان لوگوں نے مالیات کی ایک کمیٹی قائم کرلی جو انھیں تینوں پر مشتمل تھی۔

"سردست تمھارے لیے یہ کافی ہوگا، مگر یہ نہ بھولنا کہ یہ سب تمھارے حصے میں سے کاٹا جائیگا"۔ براؤن اور کڈ نے گبس کو کچھ نقد دیتے ہوئے کہا۔

گبس نے جواب میں اپنے سر کو جنبش دی۔ "میں روز شام کو یہیں رہونگا، ملنا چاہو تو یہیں ملاقات ہوگی۔ بیئر یہاں کی بہت اچھی ہے۔ اب تمھیں مسز گبس کے پاس جانا چاہیے"۔ گبس نے کہا۔

دونوں دوست اس سے رخصت ہوکر مسز گبس سے ملنے چلے، جب مکان کے قریب آئے تو انھیں ایک چھوٹا سا مجمع نظر آیا انھیں یہ دیکھ اطمینان ہوا، اور یہ خیال گزرا کہ مسز گبس کو پہلے ہی خبر مل چکی ہوگی اور دونوں کوٹھے پر پہنچے، وہاں مسز گبس ہاتھ میں ایک بھیگا ہوا رومال لیے ہوئے نظر آئی، اس کے اردگرد اس کی جان پہچان کے لوگ بیٹھے تھے، نحیف آواز میں اس نے کڈ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے گبس کو بچانے کی کوشش کی۔

"کڈ ابھی تک خشک نہیں ہوا"، براؤن نے کہا۔

"مجھ سے جو ہوسکتا تھا میں نے کیا، گبس کے سے دوست کہیں ملتے ہیں"۔ کڈ نے جواب دیا۔

"بیچارہ ہر وقت مصیبت زدوں کی مدد کو تیار رہتا تھا" براؤن نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک شخص نے اس کی تائید کی۔

"اب ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے، اگر ہم اس غریب کی کچھ بھلائی نہیں کرسکتے، تو اس کی بی بی کی تو مدد کرسکتے ہیں" کڈ نے جوش کے ساتھ کہا۔

کڈ براؤن کے ساتھ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا اور وہ ایک آدمی جن سے نگاہیں چار ہوئیں، انہیں اس نے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، رفتہ رفتہ اس کے پیچھے ایک اچھا خاصہ مجمع ہوگیا اور سب کے سب رڈلائن کی طرف چلے۔

تین چار دن دونوں دوستوں نے بڑی محنت کی، اس مضمون کے کارڈ تقسیم کیے گئے کہ ٹلائن میں مسٹر گبس کی مدد کے لیے ایک جلسہ منعقد ہوگا۔ ایسی حکایتیں جن سے مرحوم کے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ پر روشنی پڑتی تھی، ہر کہہ ومہ کو سنائی گئیں۔ وینیگ کو بعد از وقت احساس ہوا کہ اس کا ایک بڑا محسن جو نیکیاں کرتا تھا، لیکن خود منظر عام پر نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا ہے۔

گبس اپنی عزلت گاہ میں اپنے دوستوں کی سرگرمیوں کا حال بڑے ذوق وشوق سے سنتا تھا، اس کے دوستوں کو یہ معلوم کرکے بڑی الجھن ہوئی کہ وہ خود بھی جلسے میں موجود رہنا چاہتا تھا، اور جب اس نے منھ میں کالک لگا کر حبشی مطرب کا روپ بھر کر اہل مجلس کے سامنے گانے پر اصرار کیا تو کڈ کو اسے زبردستی باہر لے جانا پڑا۔۔۔۔۔۔

"اس کے دماغ کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں، اس نے ضرورت سے زیادہ روپے ہم لوگوں سے وصول کیے ہیں، اب اسے ایک کوڑی نہیں دینی چاہیے" براؤن نے راستے میں کڈ سے کہا۔

"وہ شاہانہ زندگی بسر کر رہا ہے اور ہم لوگ غلامی کرتے کرتے مرے جا رہے ہیں۔ میں نے تو اسے کبھی اتنا موٹا تازہ نہیں دیکھا، اسے ہم لوگوں کے برابر حصہ لینے کا کوئی حق نہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کے سوا، اس نے کیا ہی کیا ہے" کڈ بولا۔

اس کی بدمزاجی جلسے کی رات تک قائم رہی، جلسہ ایک ماہی گیر جس نے گھوڑ دوڑ میں خوب روپے بنائے تھے اور اس کے دوستوں کی بدولت خوب کامیاب رہا، آمدنی منتظمین کی توقعات سے کہیں زیادہ ہوئی، ماہی گیر نے ابتدا ہی میں تشتری میں پانچ پاؤنڈ کا ایک نوٹ رکھ دیا، یہ دیکھ کر سامعین نے اس قدر گہری سانس لی کہ چندہ جمع کرنے والے کو اپنی ذمہ داری ایک بوجھ سی معلوم ہونے لگی۔ مسٹر گبس مرحوم کے مداحوں نے ۳۰ پونڈ، ۱۲ شلنگ اور ۴ پینس کی صورت میں خراج تحسین ادا کیا۔

"ایک حصہ بارہ پونڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔ بات اتنی اچھی ہے کہ مشکل سے اس پر یقین ہوتا ہے" کڈ نے خوش خوش رخصت ہونے کے وقت اپنے ساتھی سے کہا۔

کام ختم ہو گیا تھا۔ دونوں کو گبس سے ملنے کے لیے شام کا انتظار تھا، شام ہوئی تو کڈبراؤن کو لنڈن برج کے اس پار لے گیا۔ کڈ، براؤن سے جو طبعی مزاج کا تھا۔ گز دو گز آگے تھا۔ گبس ڈمپیل رائٹ آرمس میں اپنی پرانی جگہ پر موجود تھا۔ بچ شدہ رقم سے وہ خوش نہیں ہوا، بلکہ اس نے اشارۃً کہا کہ اگر مجھے اس معاملے میں حصہ لینے دیا جاتا تو اس سے زیادہ رقم وصول ہوتی۔

"میں نے جو زحمت گوارا کی ہے اس کا یہ کافی معاوضہ نہیں" اس نے اپنا سر ہلا کر کہا۔ "یہاں تنہائی میں میرا جی نہیں لگتا۔ جو رقم مجھے تم نہیں دیتے ہو، اس کے علاوہ جب تم اپنے حصے لوگے تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔"

"میں تم سے کسی دوسرے وقت گفتگو کروں گا" کڈ نے کہا، اور اس کو تیز نگاہوں سے دیکھا۔ "اب تمہیں ہمارے ساتھ دریا کے اس پار چلنا چاہیے۔"

"کس لیے؟" گبس نے پوچھا۔

"قبل اس کے کہ تمہاری بی بی اس رقم کو خرچ کرنا شروع کردے جو اس کی ملک نہیں، ہم اسے یہ خوش خبری سنانا چاہتے ہیں کہ تم زندہ ہو۔" کڈ نے کہا۔ "اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی ہم لوگوں کے قریب ہی کہیں پر رہو، کیونکہ شاید وہ ہماری بات کا یقین نہ کرے۔"

"یہ خبر یکایک نہ سنا دینا"، گبس نے کہا "ہم نہیں چاہتے کہ وہ رونا پیٹنا شروع کردے۔ یا اسی قسم کا کوئی اور کام کر بیٹھے میں اس کی حالت سے جس قدر واقف ہوں، تم نہیں ہو سکتے، اور میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ سہولت سے کام لو۔"

وہ ان لوگوں کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا، اور ذرا تامل کے بعد عینک لگانے پر بھی راضی ہو گیا تاکہ کچھ اس کا سوانگ کُل ہو جائے، یہ عینک کڈ کی ساس کی تھی، وہ آٹھ بجے صبح سے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان تھی۔

"تم دس منٹ تک یہیں پر ٹھہرو" کڈ نے مونومنٹ کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اس کے بعد ہم لوگوں کے پیچھے پیچھے آؤ۔ جب تم روشنی کے کسی کھمبے کے قریب سے گزرو تو رومال سے منہ چھپا لو، اور سڑک کے کنارے ہم لوگوں کا انتظار کرو۔"

کڈ براؤن کے ساتھ تیزی سے چلنے لگا، لیکن جب دونوں مسز گبس کے مکان کے پاس پہنچے تو ان کی چال حد سے زیادہ دھیمی ہو گئی۔ مسز گبس مکان پر تنہا تھی اور رسمی گفتگو کے بعد اس نے ان لوگوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

"میں تو غریب جو کے لیے اس سے بھی زیادہ کرتا" براؤن نے کہا۔

"ابھی تک وہ ملے تو نہیں؟" بیوہ نے پوچھا۔

کڈ نے اپنا سر ہلایا "میرا خیال ہے کہ ان کی تلاش بیکار ہے"۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"دریا کا دھارا بہا لے گیا" براؤن نے کہا اور کڈ کی افتتاحی تقریر کا مقصد فوت کر دیا۔

"وہ جہاں بھی ہو، اچھی ہی حالت میں ہو گا" مسز گبس نے کہا۔ "اب نہ بے کار رہنے کی پروا ہے نہ کسی قسم کا تردد ہے، نہ تکلیف ہم سب کو ایک نہ ایک دن دنیا سے جانا ہی پڑے گا"

"ہاں" کڈ نے کہنا شروع کیا: "مگر........"

"میری خواہش یہ ہرگز نہیں کہ وہ واپس آجائے"۔ مسز گبس نے کہا۔ "ایسی خواہش رکھنا ارتکاب گناہ کے برابر ہے"۔

"لیکن اگر وہ خود واپس آجانا چاہے"۔ کڈ نے بات کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اور روپے کو خرچ کرنے میں تمہاری مدد کرے"۔ براؤن نے اپنے دوست کی غضب آلود نگاہوں کی بالکل پروا نہ کی۔

مسز گبس متحیر ہو گئی "روپے خرچ کرنے کا کیا مطلب ہے؟" اس نے کہا۔

"فرض کرو" کڈ نے کہا "تھوڑی دیر کے لیے مان لو کہ وہ ڈوبا ہی نہ تھا، میں نے کل رات کو خواب دیکھا ہے کہ وہ زندہ ہے"۔

"میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے"۔ براؤن نے کہا۔

"وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا"۔ کڈ نے رقت آمیز آواز میں کہا

"بوب! وہ کہنے لگا، جاؤ اور میری بی بی سے کہہ دو کہ میں زندہ ہوں، یہ خبر ذرا نرمی سے سنانا"۔

"حرف بہ حرف یہی بات اس نے مجھ کو بھی خواب میں کہی" براؤن نے کہا۔ "تعجب کی بات ہے"!

"بڑے تعجب کی بات ہے"۔ مسز گبس نے کہا۔

"میرا خیال ہے" کڈ نے تھوڑے وقفے کے بعد کہا "کہ تم نے تو اسے خواب میں نہ دیکھا ہوگا"؟

"نہیں، میں کبھی شراب نہیں پیتی"۔ بیوہ نے کہا۔

دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا، کڈ نے معاملے کو انجام تک پہنچا دینے کا ارادہ کر لیا۔

"اگر جو اس دروازے سے مکان کے اندر آجائے تو تم کیا کرو گی"؟ اس نے پوچھا۔

"چیخ چیخ کر مکان کی بنیاد ہلا دوں گی"۔ بیوہ نے برجستہ جواب دیا۔

"چیخ چیخ کر مکان کی بنیاد ہلا دو گی؟" کڈ نے کہا۔

مسز گبس نے اپنا سر ہلایا "میں چیخوں گی، پاگلوں کی طرح چیخوں گی"۔ اس نے تیقن کے لہجے میں کہا۔

"لیکن اگر وہ زندہ ہو گا، جب تو نہ چیخو گی؟" کڈ نے کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ تم کیا چاہتے ہو"۔ مسز گبس نے کہا۔ "صاف صاف کیوں نہیں کہتے، جو ڈوب کر مر چکا ہے، تم تو یہ جانتے ہی ہو، تم نے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور پھر بھی تم مجھ سے خواب کی باتیں کر رہے ہو"

کڈ نے، اس کی طرف جھک کر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔ "وہ بچ گیا" اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ "وہ زندہ ہے اور خیریت سے ہے"!

"کیا؟" مسز گبس نے پیچھے ہٹ کر کہا۔

"یہ بالکل سچ ہے، اتنی ہی سچی، جیسی یہاں پر میری موجودگی"۔ مسٹر کڈ نے کہا "یہ بات سچ ہے نہ جھوٹ ہے"۔

"سچ سے بھی زیادہ سچ ہے" مسٹر براؤن نے ایک وفادار دوست کی طرح کہا۔

مسز گبس نے گہری سانس لی" زندہ!" اس نے کہا۔" لیکن کس طرح؟ وہ زندہ کیوں کر ہو سکتا ہے"؟

"اس قدر زور سے نہ بولو" کڈ نے اس سے گزارش کی۔" اگر کوئی دوسرا سن لیگا، تو تمہیں وہ رقم واپس دے دینی پڑے گی"۔

"اگر وہ مجھے واپس مل جائے تو میں اس رقم سے بھی زیادہ قربان کرنے کو تیار ہوں" مسز گبس نے جوش میں آکر کہا۔" شاید تم مجھے دھوکا دے رہے ہو"۔

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں" کڈ نے کہا۔" وہ قریب ہی ہے۔ اگر تمہارے چیخنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ابھی جا کر بلا لاتا"

"نہیں نہیں، وہ زندہ ہے تو میں چلانے کیوں لگی، تم اسے ساتھ ہی کیوں نہ لائے؟ وہ ہے کہاں؟ مجھے اس کے پاس لے چلو"۔ مسز گبس نے کہا۔

"اتنی بے قرار نہ ہو، ہر بات اپنے وقت پر ٹھیک ہوتی ہے، میں ابھی اسے لے آتا ہوں، لیکن، اچھی طرح یاد رکھو چیخو گی تو سب کام خراب ہو جائیگا" کڈ نے براؤن کو مسرت آمیز تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ خوش خوش کمرے سے باہر نکل کر نیچے اترا۔ مسز گبس نے براؤن کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، اور منھ کھولے ہوئے انتظار میں دروازے کے پاس کھڑی رہی۔ تین چار منٹ گزر گئے۔

"آگئے، چیخنا چلانا نہیں!" براؤن نے سیڑھی پر آواز سن کر کہا۔

مسز گبس پیچھے ہٹ گئی، یہ دیکھ کر سب خوش ہوئے کہ وہ بالکل خاموش تھی، کڈ اس کے شوہر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا، لیکن وہ منتظرانہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھتی ہی رہی۔

"وہ نہیں آئے؟" مسز گبس نے پوچھا۔

"یہی تو ہیں، تم پہچانتی بھی نہیں؟"

"سوکی، میں ہی تو ہوں"۔ گبس نے کہا۔

"مجھے سمجھنا تھا کہ تم لوگ مذاق کر رہے، یہ بے رحمی کی انتہا ہے، تم لوگوں سے کیوں کر یہ بات ہو سکی"۔ مسز گبس نے بہت ہی دھیمی آواز میں کہا اور کرسی پر گر پڑی۔

کڈ نے غصے میں گبس کو ڈھکیل دیا" وہی تو ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اب مونچھیں نہیں ہیں، تم سسکیاں لیکر چیخو نہیں، لوگ چلے آئیں گے"۔

"ابھی یہاں سے اسے ہٹالے جاؤ، ایسا مذاق کسی دوسری دل شکستہ سے جا کر کرو" مسز گبس نے کہا۔

"تمہارا شوہر ہی تو ہے"۔ براؤن بولا۔

"ابھی اسے یہاں سے لے جاؤ" مسز گبس نے چیخ کر کہا۔

کڈ نے دانت پیستے ہوئے سوچنے کی کوشش کی اور گبس سے مخاطب ہو کر اس نے دریافت کیا: "تمھارے بدن پر کوئی نشان تو نہیں؟"

"بالکل نہیں، میرا بدن ہر قسم کے داغ دھبے سے پاک ہے، میرا بدن اتنا ہی سفید ...." گبس نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

بس بس، بدن کی باتیں نہ کرو"

"میں دس تک گنتی ہوں، اگر اس درمیان میں تم لوگ یہاں سے نہیں چلے گئے، تو میں چلاؤں گی۔ ایک آبرودار عورت کے سامنے تمھیں کیوں کر جرأت ہوئی کہ اپنے بدن کا ذکر کرو.... اب جاتے ہو یا نہیں؟ ایک! دو! تین! چار! پانچ!" ہر بندے کے ساتھ اس کی آواز اونچی ہوتی گئی، سب سے پہلے خود گبس اٹھ کر چلا اور اس کی تقلید اس کے دوستوں نے بھی کی۔

"تھوڑی دیر میں گھر بھر کو خبر ہو جاتی، اور پھر ہماری مٹی پلید ہونے میں کوئی کسر نہ رہتی، میں پہلے ہی خیال کر رہا تھا کہ مونچھیں نہیں منڈوانی چاہییں۔ اس نے مجھے کبھی بغیر مونچھوں کے دیکھا ہی نہیں، ابھی میرا لڑکپن ہی تھا کہ مونچھیں نکلنی شروع ہو گئی تھیں، دوسرے لڑکے ....." گبس اپنی پیشانی آستین سے پونچھتے ہوئے بولا۔

"بکو نہیں!" کڈ نے چیخ کر کہا۔

"بس جناب، بس، اب میں آپ کا حکم ماننے کا نہیں۔ آج ہی مونچھیں بڑھانا شروع کر دیتا ہوں۔ وہ مونچھوں کے بغیر مجھے پہچاننے والی نہیں۔ اور اب میں زیادہ دنوں تک گھر سے باہر نہیں رہ سکتا۔" گبس نے اس انداز سے کہا کہ گویا اب وہ کسی کی جھاڑ پھونک سننے والا نہیں۔

"گبس ٹھیک کہتا ہے، بوب"۔ براؤن نے یقین کے ساتھ کہا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس کی مونچھیں نہ نکلیں ہم انتظار کریں اور اسے کھلاتے پلاتے رہیں؟" کڈ نے غصے ہو کر کہا۔

"میرے حصے سے تمھیں سب کچھ واپس مل جائیگا۔ مگر میں کچھ نہیں جانتا، جو تمھاری خوشی ہو کرو۔ اگر اس معاملے کو یہیں پر ختم کرنا چاہتے ہو تو میں اس پر بھی راضی ہوں"۔ گبس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

براؤن اپنے دوست کڈ کو جو غصے سے بھوت ہو رہا تھا، الگ لے گیا اور دونوں میں آہستہ آہستہ باتیں ہوئیں۔ گبس اس درمیان میں بے پروائی کے انداز سے کھڑا ہوا سیٹی بجا رہا تھا۔

"مونچھیں کتنے دنوں میں بڑھیں گی؟" کڈ نے

گبس نے اپنے کاندھوں کو حرکت دی: "ٹھیک ٹھیک کہنا مشکل ہے۔ میں سمجھتا ہوں دو یا تین ہفتے کافی ہونگے۔ اگر اس پر اس نے نہ پہچانا تو ایک آدھ ہفتہ اور سہی۔"

"تمھارے حصے میں سے کچھ باقی نہ رہیگا، اس کو یاد رکھنا۔" کڈ نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہ سہی، بار بار اس کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" گبس نے کہا۔

اس کے بعد، رستے بھر تینوں خاموش رہے۔ دو بجنے تک ہر شب دونوں دوست آکر یہ دیکھتے کہ کڈ کی شکل میں کتنا تغیر ہوا ہے، انہیں بڑا رنج اس کا تھا کہ تیزی کی رفتار اس قدر سست کیوں۔

دو ہفتے گذر گئے، تو کڈ نے کہا کہ "آج کی رات آزمایش کرنی چاہیے" "میں قرض دیتے دیتے تنگ آ گیا ہوں"

گبس نے دانشمندانہ انداز میں یہ مشورہ دیا کہ جہاں اتنے روپے قرض دیے ہیں، تھوڑا اور سہی، لیکن کڈ اپنی بات پر اڑا رہا۔

"اب مونچھیں اتنی ضرور نکل آئی ہیں کہ تمھاری بی بی تمھیں پہچان لے۔ ہمیں دوسرے لوگوں سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ کل رات کو آٹھ بجے مونومنٹ میں ملنا اور پھر اس معاملے کو ختم کریں گے۔" کڈ نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔

"جو حکم ہو"۔ گبس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"اپنی ٹوپی خوب نیچی کر کے پہننا کہ آنکھیں اچھی طرح نہ معلوم ہوں، وہ عینک بھی لگا لینا جو میں نے تمھیں دی ہے اور ہاں خوب یاد آیا، لال فلالین کا ایک ٹکڑا بھی منھ پر لپیٹ لینا۔" کڈ نے سختی کے ساتھ اپنے احکام دیے۔

"رہنے بھی دو، میں خوب جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، تمہاری ہدایت کی ضرورت نہیں۔ میں شرط بدتا ہوں کہ اگر کل رات کو تم دونوں میں سے کسی نے بھی مجھے پہچان لیا تو میں سب کو بیر پلاؤں گا، ورنہ تمھیں پلانی پڑے گی۔" گبس نے کہا۔

شرط قبول کی گئی اور دوسرے دن آٹھ سے پونے نو بجے تک کڈ اور براؤن شرط جیتنے کی پوری کوشش کرتے رہے۔ جب گبس نظر نہ آیا تو کڈ نے پریشان ہو کر بہت سے فاضل الفاظ کے ساتھ براؤن سے یہ دریافت کیا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

"وہ اکیلا ہی چلا گیا ہوگا۔ چلو ہم لوگ بھی وہیں چلیں۔" براؤن نے جواب دیا۔

مسز گبس کے یہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے، انھوں نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ بغل کے مکان سے ایک عورت نے اپنا سر نکالا اور انہیں بتایا کہ مسز گبس چلی گئی۔

"چلی گئی! کہاں چلی گئی؟" دونوں نے بیک وقت چیخ کر بولے۔

"کنیڈا، آج ہی صبح کو تو گئی ہے۔"

کڈ کو کھڑا رہنے کے لیے دیوار کے سہارے کی ضرورت ہوئی، براؤن کا منھ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اور قوت گفتار سلب ہو گئی۔ "مجھے بھی بڑی حیرت ہوئی، مسز گبس نے بتایا کہ میں دو ہفتے سے چپکے چپکے تیاری کر رہی تھی۔ وہ تو بہت خوش نظر آ رہی تھی، بات بات پر ہنستی تھی۔"

"ہنستی تھی!" کڈ نے ہولناک لہجے میں دہرایا۔

"اور جب میں نے اسے یاد دلایا کہ تمہارا شوہر ابھی مرا ہے، اس طرح ہنسنا مناسب نہیں سمجھا تو وہ زینے پر بیٹھ گئی اور اتنا زور سے قہقہے مارنے لگی کہ اس کی آنکھوں سے پانی کی طرح آنسو بہنے لگے۔"

براؤن نے عالم تحیر میں اپنے ساتھی کی طرف دیکھا "یہ ہنس کس پر رہی تھی؟"۔ "دو۔ پیدائشی احمقوں پر۔" کڈ نے جواب دیا۔

تمثیل

کیتھرین پار

مصنفۂ موریس بیرنگ — مترجمۂ متعلم

افراد تمثیل

شاہ ہنری ہشتم — ملکہ کیتھرین پار — بیج

منظر۔ لندن۔ شاہی محل میں ناشتے کا کمرا۔ شاہ ہنری ہشتم اور ملکہ کیتھرین پار، ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے نظر آتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک میز ہے، جس پر ناشتے کا سامان رکھا ہے۔ بادشاہ ایک اُبلا ہوا انڈا توڑ رہا ہے۔)

ہنری:۔ یہ انڈا کچا ہے، بہت خراب ہے۔

کیتھرین:۔ کل تم شکایت کرتے تھے کہ انڈا بہت سخت ہے۔

ہنری:۔ کل کے انڈے یقیناً سخت تھے، میں نہ سخت انڈے پسند کرتا ہوں نہ نرم۔ انڈوں کو انداز سے اُبالنا چاہیے۔

کیتھرین:۔ تمہیں خوش کرنا بہت مشکل ہے، یہ انڈا کھولتے ہوئے پانی میں ساڑھے تین منٹ تک رکھا گیا تھا۔ میں نے خود اسے اُبالا ہے، تمہیں پسند نہ ہو تو یہ انڈا مجھے دیدو میں ایسا ہی انڈا پسند کرتی ہوں۔ تمہارے لیے دوسرا انڈا اُبال دوں گی۔

ہنری:۔ نہیں۔ بہت دیر ہو جائے گی۔ سچ پوچھو تو تمہیں انڈا ابالنا آتا ہی نہیں۔ کاش یہ کام تم خادموں کے سپرد کر دیتیں کہ باورچی خانے میں انڈے ابالا کریں۔

کیتھرین:۔ باورچی خانے میں انڈے ابالے جاتے ہیں تو یہاں تک انڈے لانے میں دیر ہوتی ہے اور اگر تم قبل از وقت پہنچ گئے تو شکایت کرنے لگتے ہو کہ انڈے کہاں ہیں، اگر انڈے پہلے سے لا کر رکھ دیے جاتے ہیں تو تم اعتراض کرتے ہو کہ انڈے ٹھنڈے ہو گئے۔

ہنری:۔ میں کبھی اس قسم کی شکایت نہیں کرتا۔ باورچن کو انڈے ابالنے میں کمال حاصل ہے۔

کیتھرین:۔ کل سے باورچن ہی انڈے ابالے گی۔

ہنری:۔ تمہاری جیسی تجربہ کار عورت کو کم سے کم انڈے ابالنا تو جاننا چاہیے۔ مجھے کچے انڈوں سے نفرت ہے۔ (متفکر ہو کر) غریب کیٹی انڈے ابالنے میں مشاق تھی۔

کیتھرین:- کون کیتھرین؟ کیتھرین ہوورڈیا۔ کیتھرین اراگن؟

ہنری:- میں اپنی محبوب کیٹی ہوورڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کیتھرین اراگن میری بی بی نہ تھی۔ اس سے جو شادی ہوئی وہ ناجائز تھی۔

کیتھرین:- کیتھرین ہوورڈ کو انڈے ابالنے میں مشاق ہونا چاہیے تھا، کیونکہ اس کی ماں باورچن تھی۔

ہنری:- بالکل غلط! اس کی ماں روکفورڈ خاندان سے تھی۔

کیتھرین:- غالباً تمہاری مراد اپنی بُن سے ہے۔

ہنری:- ہاں ہاں، کیٹی کی ماں یقیناً سومرسٹ کے خاندان سے تھی۔

کیتھرین:- غالباً تمہیں جین سیمور یاد آرہی ہے۔

ہنری:- ہرگز نہیں۔ جین سیمور، سومرسٹ کی بہن تھی۔

کیتھرین:- میں تو یہی جانتی ہوں کہ کیتھرین ہوورڈ کی ماں باورچن تھی، انہیں اس کا نام مرے سامنے نہ لینا چاہیے۔ شاید تمہاری تمنا یہ ہے کہ وہ زندہ ہوتی اور تم اس سے میرے مقابلے میں زیادہ محبت کرتے۔

ہنری:- میں نے تو یہ نہیں کہا۔ بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ اُسے انڈے ابالنے میں کمال حاصل تھا۔

کیتھرین:- تمہاری بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو خوبیاں اس میں تھیں وہ مجھ میں موجود نہیں۔

ہنری:- تم خواہ مخواہ یہ مطلب نکالتی ہو، میرے وہم میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ مجھے کچے انڈے پسند نہیں اور آج صبح کا انڈا کچا ہے۔

کیتھرین:- (اٹھتی ہے اور غصے میں دروازے کی طرف بڑھتی ہے) تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے علٰحدہ کردو۔ اور کسی دوسری عورت سے شادی کرلو، جو انڈے اُبالنا جانتی ہو۔

ہنری:- کیتھرین! ادھر آؤ۔ میں تمہیں رنج کرنا نہیں چاہتا۔ تم تو انڈے ابالنے میں ماہر ہو۔

کیتھرین:- اس قدر جاں فشانی کا یہی نتیجہ ہے؟ اب میں تمہارے لیے کبھی انڈے نہ ابالونگی۔

ہنری:- اس وقت گانا سننے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے ایک گیت بنایا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اسے گاؤ، یہ گیت بیلے اور بانسری کے ساتھ گانے کے لیے ہے۔

کیتھرین:- مجھے گانے کی مہلت نہیں۔ اس گیت کا نام کیا ہے؟

ہنری:- اس کا نام ہے "محبت کی فتح" اور یہ اس طرح شروع ہوتا ہے:-

سنو سکندرِ اعظم کے کارنامے تم
وہ بابل آیا تھا چڑھ کر سفید گھوڑے پر
بیان اس کی شجاعت کا سن کے عقل ہو گم
نظیر اس کی زمانے میں مل نہیں سکتی

کیتھرین :- "سکتی" کا قافیہ "پر" نہیں ہو سکتا۔

ہنری :- میرا خیال یہ نہیں کہ "پر" اور "سکتی" ہم قافیہ ہوں۔ صرف گیت میں زور ڈالنے کے لیے میں نے ایسا کیا۔

کیتھرین :- سکندر سے مُراد سکندرِ اعظم ہے؟

ہنری :- بے شک!

کیتھرین :- مگر اس کا گھوڑا تو سیاہ تھا۔

ہنری :- نہیں۔ تم غلطی پر ہو۔ اس کا گھوڑا سفید تھا۔

کیتھرین :- سیاہ! کوئلے کی طرح سیاہ!

ہنری :- مگر میں تحقیق کر چکا ہوں کہ اس کا گھوڑا سفید تھا۔

کیتھرین :- سکندر کا گھوڑا سیاہ تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اُس کا گھوڑا سیاہ تھا۔

ہنری :- اس کا گھوڑا سفید تھا۔ جس سے جی چاہے پوچھ لو۔

کیتھرین :- اس کے گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا۔ وہ سیاہ گھوڑے ہی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی سیکڑوں تصویریں ہیں جس میں وہ اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہے۔ میرے والد ماجد کے پاس بھی ایک تصویر ہے۔

ہنری :- مصوّر نے غلطی کی ہوگی۔ پلوٹارک، زینوفون، ارسطو، غرض سبھوں نے اس کے سفید گھوڑے کا ذکر کیا ہے۔

کیتھرین :- سیاہ!

ہنری :- تم کس قدر ضدی ہو! میں جانتا ہوں کہ اس کا گھوڑا سفید ——

کیتھرین :- سیاہ! کوئلے کی طرح سیاہ!

ہنری :- تم نے زینوفون کی کتاب پڑھی ہے؟

کیتھرین :- تمہیں کوئی دوسری بات یاد آ رہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن کے زمانے میں میرے والد مجھے وہ تصویر دکھایا کرتے تھے۔ جس میں سکندر اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہے۔

ہنری :- میں بہت آسانی سے اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہوں۔ پلوٹارک کی کتاب یہیں پر موجود ہے۔

[کتابوں کی الماری میں سے ایک کتاب نکالتا ہے]

کیتھرین :- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے بھائی کا ایک سیاہ گھوڑا تھا، جس کا نام، سکندر کے سیاہ گھوڑے کی یاد میں بیوسیفالس رکھا گیا تھا۔

ہنری :- [کتاب کے اوراق الٹ پلٹ کر] اگر وہ گھوڑا سیاہ ہوتا تو اس کا نام بوسیفالس ہرگز نہ ہوتا۔ سیاہ گھوڑے کو بوسیفالس کہنا لغو ہے۔

کیتھرین:۔ اتنا لنو نہیں جتنا سفید گھوڑے کو بوسیفالس کہنا۔

ہنری:۔ اس نے سیاہ گھوڑے کا انتخاب ہرگز نہ کیا ہوگا، وہ تو وہم پرست تھا۔

کیتھرین:۔ تم خود وہم پرست ہو، دیوتاؤں کے وجود کے قائل ہو اور مورتیوں کی پوجا کرتے ہو۔ اس لیے ہر شخص کو اپنی طرح سمجھتے ہو۔ حقیقت میں سکندر وہم پرست نہ تھا اور اسی لیے اس نے قصداً سیاہ گھوڑا انتخاب کیا تھا۔

ہنری:۔ وہ عبارت گئی۔ سنو۔ "زالیوس آنتائے کا بی ٹل میڈے دسنر رکٹوس"۔ "وہ گھوڑا نہایت وحشی تھا اور اس کو سدھانا بہت مشکل تھا"۔ سچ پوچھو تو اس میں تھیسالیا کے سفید گھوڑوں کی کل خصوصیات موجود تھیں۔

کیتھرین:۔ لیکن اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گھوڑے کا رنگ سفید تھا، اور تھیسالیا کے گھوڑے تو اپنے سیاہ رنگ کی وجہ سے مشہور ہیں۔

ہنری:۔ تم بڑی ضدی ہو۔ میں زینوفون کی کتابوں سے ثبوت تلاش کروں گا۔ اس نے صاف لکھا ہے کہ سفید رنگ کا گھوڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کسی نے کبھی اس بیان کی تردید نہیں کی۔

کیتھرین:۔ مگر پوٹارک کا قول ہے کہ اس گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا۔

ہنری:۔ اس کے متعلق پوٹارک نے کچھ بھی نہیں لکھا۔ اس کے علاوہ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس موضوع پر وولسی سے بھی گفتگو کی تھی، جو صاحب علم تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس نے ایک دن کہا تھا "بوسیفالس جیسا سفید"۔ یہ محاورہ فصحا کی زبان پر رائج ہے۔

کیتھرین:۔ اس نے کہا ہوگا "بوسیفالس جیسا سیاہ"۔

ہنری:۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔

کیتھرین:۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں بناتی، مگر صرف اتنا کہتی ہوں کہ تمہارا خیال غلط ہے۔

ہنری:۔ مگر میں کہتا ہوں کہ غلطی کرنا ممکن ہی نہیں، میں اس حقیقت سے اسی طرح واقف ہوں جس طرح مجھے اپنے نام کا علم ہے۔

کیتھرین:۔ تمہارا حافظہ تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔ ابھی تم نے کیتھرین ہووارڈ کی ماں کا نام بتانے میں غلطی کی تھی۔

ہنری:۔ اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے؟ نام تو مجھے یاد تھا۔ مگر بروقت زبان پر نہ آیا مگر گھوڑے والی بات تاریخی اہمیت رکھتی ہے اور اس سے میں تمام عمر واقف رہا ہوں۔

کیتھرین :- میں جانتی ہوں کہ تمہارا حافظہ کیوں کام نہیں کرتا۔ تمہیں بہت سے نام یاد رکھنے پڑتے ہیں۔ غالباً تم نے غلطی سے شہنشاہ الفریڈ کے سفید گھوڑے کو سکندر سے منسوب کر دیا، حالانکہ سکندر کا سیاہ گھوڑا بہت مشہور ہے۔

ہنری :- خدا کی پناہ! اگر تم میں تعلیم کی بو بھی ہوتی تو تم ایسی باتیں نہ کرتیں! یہ تعلیم اور مذہب سے بے بہرہ ہونے اور لاطینی زبان نہ جاننے کا نتیجہ ہے۔ لوتھری تعلیم حاصل کرنے سے جاہل رہنا بہتر ہے۔ اینی آف کلیورا جیسی عورت بھی لاطینی جانتی تھی۔

کیتھرین :- خدا کا شکر ہے کہ میں لاطینی نہیں جانتی! مہمل زبان، جو صرف وہم پرستوں اور متعصب مذہبی پیشواؤں کے لیے موزوں ہے!

ہنری :- غالباً تم مجھے متعصب سمجھتی ہو۔

کیتھرین :- کسی بات سے اپنی سمجھ کے مطابق مطلب نکالنا تمہارے اختیار میں ہے ــــ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ اُس گھوڑے کا رنگ سیاہ ہے۔

ہنری :- میں متعصب بننا پسند کروں گا، مگر لوتھری عقیدے کا دہریہ ہرگز نہ ہونگا۔

کیتھرین :- تم غلط بحث کر رہے ہو اور اصل موضوع سے گریز کرنا چاہتے ہو۔ یہ ٹیوڈر خاندان کی خصوصیت ہے۔ اس خاندان کا کوئی فرد کبھی معقول دلائل سے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہنری :- تمہیں میرے خاندان کا مضحکہ کرنے کا حق نہیں۔

کیتھرین :- تم نے بھی تو میرے خاندان کی توہین کی، جو تمہارے خاندان سے زیادہ قدیم ہے۔ میرے خاندان کا کوئی فرد خونی نہیں تھا۔

ہنری :- اب میں ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتا (اُٹھتا ہے اور دروازہ کھول کر پکارتا ہے) ڈینی، ٹبس، پیج، ــ کوئی ہے؟ (ایک پیج داخل ہوتا ہے)

پیج :- شہنشاہ معظم!

ہنری :- جا، اور لورڈ چیمبرلین سے کہہ دے کہ سابق ملکہ کو ٹوڈر میں لیجانے کا انتظام کرے۔

پیج :- (متحیر ہو کر) بہت بہتر عالی جاہ! کیا حضور والا کا اشارہ گذشتہ ملکہ کی خاک کی طرف ہے؟

ہنری :- بے وقوف لڑکا! میں نے تو "سابق" ملکہ کہا تھا ــــ ملکہ کیتھرین پار۔

پیج:- حضور عالی کا ارشاد بجا ہے۔

ہنری:- اور لورڈ چیمبرلین سے یہ بھی کہنا کہ ٹور کے گورنر کو سابق ملکہ کو پھانسی دینے کا سامان کرنے کی ہدایت کر دے۔

پیج:- کیا کل رسوم اسی طرح ادا کیے جائیں گے، جس طرح ملکہ کیتھرین ہوورڈ کی پھانسی کے موقع پر ادا کیے گئے تھے؟

ہنری:- ہاں، — لیکن نقارہ صرف ایک ہی دفعہ بجایا جائے۔ (آخر میں (پیج دروازے کی طرف بڑھتا ہے) اور ڈاکٹر بٹس سے پوچھنا کہ سکندر اعظم کے گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا یا سفید۔

کیتھرین:- سیاہ! (پیج چلا جاتا ہے) اب مجھے پھانسی دی جانی والی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ تم مجھے اجازت دوگے کہ اپنا اسباب درست کر لوں۔ تم نے کل اپنی بانسری کوٹھری میں چھوڑ دی تھی — میں اسے لانے جاتی ہوں۔

ہنری:- ابھی ٹھہرو۔ جلدی کیا ہے؟

کیتھرین:- معاف کرنا! وقت بہت کم ہے؛ اور مجھے بہت سے خطوط لکھنے ہیں۔

ہنری:- (ہچکچا کر) میں گانا سننا چاہتا تھا۔

کیتھرین:- اب تمہیں میری شرکت کی امید تو نہ ہوگی؟ کسی اور کو تلاش کر لو تو بہتر ہو۔ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں مجھے بہت سی باتیں سوچنی ہیں۔

ہنری:- (مصنوعی ہنسی ہنس کر) میں تو محض مذاق کر رہا تھا۔ کہیں تم نے سچ تو نہ سمجھ لیا؟

کیتھرین:- میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتی۔

ہنری:- اچھا، اب ان باتوں سے درگزر کرو اور موسیقی سے دل بہلاؤ۔ میں اپنا گیت سننا چاہتا ہوں۔

(پیج داخل ہوتا ہے)

پیج:- عالی جاہ! مجھے لورڈ چیمبرلین کا پتا نہ ملا۔ ڈاکٹر بٹس کہتے ہیں کہ گھوڑے کے رنگ کے متعلق حضور والا کا خیال صحیح ہے۔

ہنری:- (خوش ہو کر) بہت خوب! تم جا سکتے ہو۔ لورڈ چیمبرلین کو میرا پیغام پہنچانے کی ضرورت نہیں (پیج تعظیم بجا لاتا ہے اور چلا جاتا ہے) چلو، اب ہم موسیقی سے لطف اٹھائیں۔ تم نے دیکھا؟ مجھے یقین تھا کہ میرا خیال صحیح ہے۔

[ہنری دروازہ کھولتا ہے]

کیتھرین:- پھر بھی اس گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا۔

ہنری:- (نرمی سے، گویا وہ کسی بچے سے بول رہا ہو) ہاں، جی، ہاں۔ بے شک اس گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا مگر اب ہمیں موسیقی سننا چاہیے۔ (وہ چلے جاتے ہیں) پردہ

نظم

انقلاب روزگار

از پریم پجاری

چاندنی، دریا، خموشی، تیری کشتی، اور تو
مجھ کو بھی ہمراہ چلنے کا اشارہ ہوگیا

بیٹھ کر چپّو سنبھالا میں نے، کشتی چل پڑی
رفتہ رفتہ دُور جب ہم سے کنارہ ہوگیا

تو نے چھیڑا ساز اور نغموں سے گونج اٹھی فضا
دل میں جوشِ آرزو ہنگامہ آرا ہوگیا

تھی کہاں لیکن مجھے عرضِ تمنا کی مجال
جانے کیونکر حالِ دل کا آشکارا ہوگیا

بیخودی میں یک بیک آنکھیں ملیں اور جھک گئیں
پھر اُٹھیں اور پھر وہی عالم دوبارہ ہوگیا

اک ذرا پہلے فقط تیری نظر تھی برق پاش
اب ترا دل بجلیوں کا گاہوارہ ہوگیا

رکھ دیا میں نے اِدھر چپّو اُدھر تو نے رباب
دُور اب دونوں سے خودداری کا یارا ہوگیا

تیرے سینے میں ہوئی محسوس اک جنبش مجھے
میری جرأت کا یہی شاید سہارا ہوگیا

ہاتھ اٹھے اور تیری گردن میں حمائل ہوگئے
تو نے سر خم کر دیا، یا خود قضارا ہوگیا

جسم میں اک سنسنی سی، روح میں اک اہتزاز
لفظ کیا بتلائیں جو عالم ہمارا ہوگیا

ہاں، وہی میں ہوں، وہی تو ہے، مگر وہ دل نہیں
آہ، یکسر موم ہو کر سنگِ خارا ہوگیا

کیوں نہیں ملتا محبت سے محبت کا جواب
کس لیے قحطِ وفا پروردگارا ہوگیا

آثار ادبیہ

(۱) مثنوی میرحسن در وصف قصر جواہر
(۲) کلام سلیمان در رقت و طالب۔

مثنوی میرحسن در وصفِ قصرِ جواہر

در بہاریہ می گوید

پلا مجھ کو ساقی مے لعل فام
سو غنچہ صراحی ہو اور گل ہو جام
چمن گل سے مدت میں معمور ہے
خزاں اس گلستان سے دور ہے
یہاں تک ہے اس فصل میں جوشِ گل
کہ ہے دوشِ گل سے ملا دوشِ گل
بغیر از گل و لالہ و نسترن
درختوں نے روکا نہیں واں چمن
نہیں واں درختوں کے بر سو پہاڑ
وہ جنگل نہیں کچھ جو ہو جس میں جھاڑ
خس و خار ہوئیں نہ واں جاگیر
کہ تنکا ہے اُس آئینے پر لکیر
مرقع کہوں اس کو تصویر کا
کہ تختہ کہوں اس کو کشمیر کا
سہانی روِ جا اور جوشِ بہار
لہکنا وہ سبزے کا مردانہ وار
نہ ہو سبز کیونکر نگینِ فلک
کہ ہے ڈانک سبزے کی اس کی چمک
مگر واں کی ہے چشمِ بلبل زمیں
کریں گل نہیں گوشۂ گل زمیں
صفائی خیاباں کی آئینہ دار
کہ دونی روش پر ہے گل کی بہار
ہر اک شاخ و بیل اس خیابان کی
نظر میں ہے جدول گلستان کی
نہیں یہ بھی تشبیہ سے درکنار
یہ ہے خط گلزار دستِ نگار
کہیں ایسی دا ذو دی کھلتی نہیں
یہ خوبی ستارے کی ملتی نہیں
یہ صد برگ کا رنگ دیکھا یہاں
جسے دیکھ کر زرد ہو زعفراں
ہر اک فصل میں ہو ہر اک گل کی دھوم
بہار اپنی اپنی پہ اتنا ہجوم
چنانچہ کہ شبو ہے اب رُو بکار
ہے گویا سوادِ دیارِ بہار
شمیم اس کی نورِ دلِ مشکناب
طرح اس کی شاخِ گلِ آفتاب
مہکتا ہے خوشبو سے اس طرح باغ
کہ جوں زلف سے ہو معنبر دماغ
چمن ہے لگن اس لگن کی ہے شمع
نہیں شاخ شبو چمن کی ہے شمع
جدھر بو کو لے جائے واں سے صبا
اُدھر سے صدا ہو کہ صلِ علیٰ
کہیں اس مکاں کا ہے فرخندہ نام
یہ خوشبوئی اس کی ہو پارہ تمام
ہر اک شب ہو اس بو سے عنبر سرشت
ہر اک روز اس رُو سے روزِ بہشت
ہے رنگیں حنائے کفِ پائے یار
اسی کے قدم سے ہے ساری بہار
یہ شبو یہ داؤدی و یاسمن
یہ اُجلا مکاں اور سنہرا چمن

ساقی نامہ در سیرِ مہتاب

پلا ساقیا ایک جامِ ہلال
برائے شبِ ماہ چھت اُس پہ ڈال
نظر میں مجھے سیرِ مہتاب ہے
کہ ہم حوض و ہم عالمِ آب ہے
بلندی عمارت کی کوٹھی کی شان
کہوں کیا میں خوبی کا اس کی بیاں
چھت اوپر جو کچھ جلوۂ ماہ ہے
نہ پوچھو کہ اللہ اللہ ہے
لبِ بام سے تا زمیں لے عزیز
عجب چشمۂ نور ہے موج خیز
کہے تو کہ فرہاد روشن ضمیر

لے آیا وہاں کو سے جوئے شیر
شبِ ماہ واں کی دل افروز ہے
وہ نام خدا شب نہیں روز ہے
بھلا چاندنی کا ہوں واں کیوں نہ جوش
کہ ہے ماہ اس در کا حلقہ بگوش
پڑے چاندنی پر جدھر کو نگاہ
نہ دے کثرتِ نور آگے کو راہ
نظر کو ہے مشکل وہاں سے عبور
پڑا جوش مارے ہے دریائے نور
چمک کیا کہوں حوض و تالاب کی
لگی ہے وہاں آنکھ مہتاب کی
غرض بام و در پر ہے یہ کچھ سماں
اب آگے اس ایوان کا سنیو بیاں
بچھا اس میں وہ قالیں کا فرش و فروش
کہ جس کا گل و غنچہ نکہت فروش
کھچی صاف ہموار یوں چاندنی
کہ بے جوڑ مہ کی ہو جوں چاندنی

در صفت شمع و فانوس

پلا ساقیا مجھ کو تو اک ایاغ
کہ روشن کروں فکر کا میں چراغ
دھرے نقرئی اس پہ وہ شمع داں
کہ شمعوں سے جس کی ہو روشن جہاں
وہ فانوس شیشے کی مانند دل
صفا جس سے ہو آئینے کی خجل
درخشندگی شمع کی اس میں یوں
فلک سے پڑے عکس خورشید جوں
اسے اختلال ہوا سے فراغ
کہ ہے دامن دل میں اس کا چراغ
لباسِ شب اس کا ہوا پرتوا
ہوا دوسرا اس کا زلف ہوا
مرا دل ہے پروانہ اس شمع پر
کہ ہر دل کو لو اس کی ہے سربسر
نظر میں زبس ہے مرے وہ جمال
ہے فانوس کا دل کو واں کی خیال
دل و چشم ہے اس سے لبریز نور
کہ ہے وہ جگر گوشۂ کوہِ طور

در صفت سقف

زبس سقف ہے آئینے کی وہاں
عجب عکس سے شمع کے ہے سماں
دوبالا ہوا حسنِ شمع و چراغ
گیا عرش پر روشنی کا دماغ
کہوں چھت میں کیا روشنی کی چمک
لیا ہے اٹھا اس نے سر پر فلک
ادھر جلوۂ شمع اس طرف ماہ
کرے کام کس کس طرف کو نگاہ
کہاں اس طرح کی بھلا سیر ہے
تکلف ہے آگے بس اب خیر ہے
خوشا وہ کہ جس جا ہو اس کا ورود
محمد پہ بھیجا کرے وہ درود
جو کچھ سیر کا حق ہے سو یاں ہے بس
اب آگے ہوا باغ کی ہے ہوس
نہ ہو کیوں کہ یہ باغ جنت سرشت
کہ ایسے کی خاطر ہی وہ ہے بہشت

مدح ممدوح

مکیں اس مکاں کا ہے محکم اساس
جواہر علی خاں جواہر شناس
وہ ہے سالکِ راہِ دینِ نبی
کریں چاہیے اس کی سب پیروی
یہ عدل و سخاوت یہ جود و کرم
یہ عزم و شجاعت یہ تیغ و قلم
یہ شان و صلابت یہ حلم و حیا
یہ خلق و مروت یہ ذہن و ذکا
یہ قائم مزاجی یہ عز و وقار
یہ ایمان داری یہ طرز و شعار
یہ حسنِ سلوک و یہ علم و عمل
یہ طبعِ سلیم و یہ دل مستقل
نہ ہوگا کسی میں نہ ہے اب کہیں
یہ سب خوبیاں ختم ہیں بس یہیں

در تعریف میانا مسمّی بہ اگر سیکرو

سبک رو کا اس کے کروں کیا بیاں
روانی میں مانند طبعِ رواں
بصد گونہ ہے اس پہ کارِ طلا
سنہری سا بادل ہے وہ صبح کا
نہ میانا ہے وہ اور نہ ہے پالکی
وہ اک چیز ہے تخت کی نالکی
کہاں تک کروں اس کی خوبی کی بات

ہر اک چوب اُس کی ہے آبِ حیات
یہ اقبال و حشمت یہ جاہ و جلال
رہے نت ترقی میں مثلِ ہلال

فی المدح

اگرچہ ثنا غیر آلِ نبی
کسی کی بھی کہنی نہیں کچھ بھلی
نہ ایسے کی کیوں مدح کریے بھلا
کہ ہے دو جہاں ہیچ جس کا صلہ
سخن کا نتیجہ ہے، مدحِ امام
دیا اس سوا جو ہو اس کا غلام
کہ صاحب کی ہوتی ہے اس میں خوشی
جو بندے کی اس کے کہے کچھ بھلی
نہیں ہے جگر مجھ کو جوش و خروش
دو ہے اس گھرانے کا حلقہ بگوش
موالی جو ہیں اس کے صحبت نشیں
سبھی شیعے ہیں اور سبھی مومنیں
رہیں شاد و خرم صغیر و کبیر
ستارے ہیں یہ گرد ماہِ منیر
یہ ہیں دوستدار علی ولی
نگہبان رہیں ان کے احمد علی
جگہ یاں بھی ان کو ہے جنت سرشت
ملے گا وہاں بھی مکانِ بہشت
رہے جب تک آباد قصرِ جہاں
سلامت رہیں یہ مکین و مکاں
سدا شاد اس کے رہیں خیر خواہ
رہیں دشمن اس کے ذلیل و تباہ

یہ تحریر جو کی ہے ظاہر ہے یہ
مستثنیٰ بہ قصر جواہر ہے یہ

تہنیت قصر جواہر

سُنا تو نے اے ساقیِ سیم بر
ہے تہنیت سے مجھے شاد کر
شمالی کا واں اک بنا ہے جواب
کہ ہے سب مکانوں میں وہ انتخاب
ہوئے جب سے دشمن کے رخ اس کے در
مٹا اس طرف کی بدی کا اثر
جہاں کے ہوا سر پہ احسان یہ
بنا نیک ساعت سے دالان یہ
عجب چو رخا وہ بنا ہے مکاں
عنام سے خلقت کے دے ہے نشاں
کسی سرزمیں سے نہیں بے خبر
کہ رکھتا ہے چاروں طرف وہ نظر
دلوں کو ہے واں عیش و عشرت سے میل
کہ اس جا پہ ہے چار عالم کو فضل
مربع نشینی ہے صباحت ہے وہ
ہر اک سمت سے بس کہ خوش رو ہے وہ
بجا شاہد چار ابرو ہے وہ
کشادہ دل و عالی ہمت ہے وہ
صفائی کا اس کی کروں کیا بیاں
کہ دیوار اس کی ہے آئینہ ساں
نظر جس کی ہو ان ستونوں میں بند
رہے راست بازوں میں وہ سربلند
ہلالی زبس اس کی محراب ہے

وہ در لمعۂ نور کا باب ہے
عجب شان سے اس کی ہے سائباں
فلک دب گیا دیکھ کر جس کی شاں
ہوا کا نہ پوچھو وہاں کی بیاں
ہوادار کیوں کر نہ ہو سائباں
نسیم سحر رات دن یار ہے
ہوا بھی وہاں کی ہوادار ہے

در تعریف درخت کمرک

عجب کمرکوں کے ہیں واں دو درخت
کہ دونوں ہیں ہمسایۂ نیک بخت
ادھر ایک کونے پہ اور اک ادھر
مقابل قرینے سے ہیں یک دگر
مشابہ جو ہیں چتر سے وہ درخت
زمیں واں کی ہے بادشاہی کا تخت
اگر دیکھنے اس کی خوبی کو آئے
تو شمشاد بھی رشک سے زہر کھائے
رہے ہفت اقلیم میں ان کا ناؤ
کہ عالم کو ہے جیٹھنا ان کی چھاؤ
زبس اہل ایماں کا دم ہے مکاں
کھڑے ہیں وہ دو سبز واری جواں
تو سایۂ و نور کی دو بہار
شب و روز ہوتی ہیں ان پر نثار
جسے اس کے سائے کی ہووے ہوا
لگے اس کو اندھیر ظل ہما
ہوا سایۂ تاک گو ہمرہاں
پر ایسی ہے موزونی اُس میں کہاں

کہ آکرم اس کا پوچھے ہے پاتو
وہ نام خدا اس کی گہری ہے چھاتو
اگر ذرہ چاہے کہ واں دھوپ لے
جیا پوتا اک واں کے پوتوں میں ٹے
میں کرسی سے دوں اس کی تشبیہ کیا
فلک سے سوا اس کا ہے مرتبہ
زبس ہے وہ جائے ثریا جناب
ہے وہ شہ نشیں مطلعِ آفتاب
دقیقے کئی جب کرے طے نگاہ
تو اس شہ نشیں تک ملے اس کو راہ
فلک رتبہ جو ہو رکھے واں قدم
کہ واں کی زمیں ہے فلک سے بہم
مجھے لے گئی میری قسمت وہاں
وگرنہ یہ معراج ملنا کہاں
زمیں دیکھ واں کی گیا لوٹ دل
کہ اس سے صفا تھی گہر کی خجل
کھنچے صندلی خط وہ دیکھے کہ بس
رہی پھر نہ خوشبو کی مجھ کو ہوس
رہے اس کے سائے تلے جو بشر
نہ ہووے کبھی اس کے تئیں دردِ سر

در مدحِ فوج گوید

خبردار ہو ساقیا اور شتاب
شجاعت کے خم سے مجھے دے شراب
مفصل تو ہووے گا مجھ سے کہاں
کروں مجملاً فوج کا کچھ بیاں
ہوا سے جو در اک طرف کھل گیا
مرا جھٹ سے دل اس طرف ڈھل گیا
زبس تھا مشرف جلو خانے پر
جلو خانہ تھا اس طرف جلوہ گر
نظر واں کی آئی یہ شان و شکوہ
جہاں گاہ سے ہو برابر نہ کوہ
زبس سنتری تھا انہوں کا لباس
ہوئی چشم کو روشنی بے قیاس
ہے آتش کا دریا کہے تو یہ فوج
کہ جوں موج سے شعلہ مارے ہے اوج
تفنگوں کی پلٹن میں یوں تھی جھمک
سیہ ابر میں برق کی جوں چمک
رہے جب تلک چرخِ نیلی کبود
اس آتش سے جل جل مریں سب حسود

تعریف توپ بندوق

وہ توپ اژدہا اور جمعِ تفنگ
نگلنے کو دشمن کے کامِ نہنگ
بر آئے نہ ان سے عدوئے پلشت
ازل سے ظفر ان کی ہے سرنوشت
رہے کیوں نہ واں کی سپہ سربلند
جہاں ایسا کپتان ہو عقلمند
جو کچھ اب وہاں ہے سپاہ نجیب
یہ اشجع کسی کو ہووے کم نصیب
انہوں کا سلامت رہے قدرداں
جواہر علی خان والا مکاں
گر آخون صاحب کی لکھوں ثنا
قلم کی زباں پر ہو جاری دعا
کسی امر میں کچھ نہ آئے خلل
جہاں ایسا ہو عالم باعمل
رہے کشت سے باروران کا نام
کہ سرسبز ان سے ہے عالم تمام
مے عیش سے جام دے ساقیا
کہ پھر اس مکاں کی ہے مجھ کو ہوا
در قبلہ رو اس کا ہووے جو باز
پڑھے اس طرف ایک عالم نماز
کھلے پر ہیں پٹ اس کے رنگیں کتاب
منڈے پر ہیں دو مصرعے انتخاب
نہ دیکھا کوئی اس سے خوشتر مکاں
جو مدِ نظر واں سے ہے آبِ رواں

در صفتِ آبشار

خزانے سے مل چادر آبشار
کرے ہے وہ دریے کے پتے نثار
اسے بھی زبس سرخوشی ہے کمال
وہ پانی بھی چلتا ہے مستی کی چال
نہ پوچھ اس کا عالم عجب آب ہے
کہے تو کہ سیماب بیتاب ہے
زبس شوق تسخیر مہ تھا کمال
لیا سنگ نے پشت ماہی کا جال
نہ ہو تو رکا کیونکہ واں ازدحام
کیا دام میں اس نے ماہِ تمام
چمک یوں ہے پانی کی مہتاب میں

چراغوں کا جوں عکس ہو آب میں
عجب جگمگاہٹ سے ہے جلوہ گر
کہ ٹھہرتی نہیں واں نظر
چمک اس کی دیکھے جو کوئی دور سے
نظر اس کی لبریز ہو نور سے
کہیں بیٹھنے والے اس پاس کے
کہ جگنو ہے تختے پر الماس کے
دیا کر تمامی کے اوپر اتو
کسی نے یہ سی ہے لہر گو گھرو
شب مہ میں عالم کہوں اس کا کیا
نہایت بھلی لگتی ہے وہ صدا
کبھی گھرج سے اور کبھی دون سے
کہ ادا ان بجے جیسے قانون سے
زمرد کے شیشے سے بھر کر شراب
پلا ساقیا آکے مجھ کو گلاب
ادھر سے پھری جو نظر تک ادھر
گیا میں ہر اک رستہ کی سمت پر
دروں سے درختوں کا تھا رنگ یوں
کہ دیکھے مرقع کو شیشے سے جوں
تلے اس کے دیکھا تو رستہ ہے ایک
کہ چلتا ہوا شہر بستا ہے ایک
اچنبھے کا دیکھا ادھر پائیں باغ
کہ لعل و زمرد ہوا جس سے داغ
یہ ایجاد دیکھا ہے کس نے حسن
روش سرخ اور سبز بوٹے کی یہ پھبن

نہ گل اس میں ہے اور نہ ہے واں شجر
ولیکن نظر اس سے بھی بار ور
فقط سرخی اک خشت کی ہے وہاں
چمن کے بچھادی ہے جو درمیاں
کیا ہی ہے تحریر اس کی تمام
تکلف نہیں اس میں کچھ والسلام
غرض اس پہ سادہ یہ پرکار ہے
کہ رنگ گل و لالہ انبار ہے
یہ سبزی کہ جد دل ہو دیوان کی
یہ سرخی کہ سرخی گلستان کی
کروں کس روش وصف کا میں بیاں
ہے شرمندہ جس سے خط گل رخاں
یہ سرخی یہ سبزی چمن کی نہیں
بدخشاں کی سر سبز ہے سرزمیں
کسی نے یہ کہا ہے کو دیکھی بہار
زمرد کے تختے پہ یاقوت زار
نظارہ ہے اس کے پڑی جب کی تو
تو سوئے نہ گل کی طرف کرکے رو
اگر اس کو دیکھے کوئی غور کر
عجب کیا کہ ہو جائے طوطی نظر
دیا ہے یہ صنعت سے کس نے بٹھا
زمرد کے گھر پر نگیں لعل کا
نہیں باغ اور باغ کی ہے بہار
عجب ہے طلسم جواہر نگار
مجھے اس کے دیکھے سے آیا یقیں

کہ ہے فی الحقیقت میں یہ گل زمیں
دلوں کو ہے اس کے صحن سے فرح
کہ ہے راستی میں یہ قوس قزح
کجی سے وہ تھی برسر آسماں
ہوئی راست قوس قزح آکے یاں
شفق کا ہوا دیکھ کر رنگ فق
کہ ہوتی ہے ایسی زمیں کی شفق
نہیں سبز سرخی یہ تحریر کی
یہ ہے خط یاقوت کی مد بھی
بھری ہے یہ جام زمردیں مے
گویا شعلہ سبز آتش میں ہے
کسی نے سلیقے سے اپنے دیا
دیے ہیں قرینوں سے مخمل بچھا
پڑے اس جگہ جس کسی کا قدم
برنگ حنا سرخ ہو دم بدم
کسی کی یہ سرخی نہیں درمیاں
چمن میں بھرا ہے یہ خون خزاں
زبس کثرت عیش کا واں ہے جوش
بچھائے ہیں میدان میں زین پوش
پڑے سرخ اور سبز بانات کے
یہ چشمے ہیں گویا کہ برسات کے
کھلے تو گلوں کے بہ صد برگ و ساز
چمن باغباں نے کیے ہیں نیاز
خزاں کا کبھی اس پہ وار آئے نہ
کہ ہے واں مرصع کا چار آئینہ

زبس کھب گئی اس کی رنگیں ادا
فلک نے زمیں کو دوشالا دیا
گل و لالہ جو دیکھ کر جس کو داغ
بجا ہے جو کہیے اسے لعل باغ
ہوا ہے غرض یہ عجب اختراع
ثنا لکھوں اس کی بخطِ شعاع

دگر نہ ہو سبزیاں قیل و قال
کہ ہے اس جگہ میں زباں اپنی لال
خدائی کی ہر رنگ میں ہے نمود
محمد کی ہو آل پر تت درود
کہے شعر شاعر جو یاں آن کر
وہ مضمون رنگیں سے ہو بہرہ ور

نہ آئے زباں پر سخن مبتذل
نئی اس کو سوجھے زمینِ غزل
مرے سر پر اس گھر کا احسان ہے
کہ میرا سخن سبز ہر آن ہے
اگر آئینہ اس کے آگے نہ ہو
سخن کیونکہ طوطی کہے پھر کہو

سخن سنج کے آگے پھرتا ہے دل
نہیں اور ہوتا ہے جی مضمحل
خدا اس گھرانے کو رکھے مدام
بہ حق محمد علیہ السلام

---

[1] ق = قلمی نسخے میں اس نہیں ہے [2] جو سے کہ بہتر ہوگا [3] مردانہ یا پروانہ؟ [4] ق میں اپنا [5] ق میں زخندہ کی جگہ خندہ [6] ق میں کی شان نہیں' یہ قیاسی اضافہ ہے۔ [7] ق کیونکر = کیوں نہ [8] ق کہ = ہے۔
[8] ق لی جوڑ = بےجوڑ [9] ق کے = کی [10] ق میں وہ متن میں ہے، حاشیے میں اس کے بدلے نت بھی ہے۔
[11] ق بھی = ہے [11] ق عزم شجاعت [11] ق ہی = بھی [12] یہ مصرع کاتب کی غلطی سے یہاں پر درج ہوگیا ہے یہ اس مصرع کے بعد ہونا چاہیے "بجا شاد چار ابرو ہے وہ" [13] ق پھر = بھی [14] ق میں ایک جگہ گمرک، دوسری جگہ گم گھ ہے [15] ق جنود = حسود [16] جو سے کہ بہتر معلوم ہوتا ہے [17] ق سیہ کی = یہ سی [18] آگے قیاسی اضافہ [19] اور سبزے کی یہ بھبن قیاسی اضافہ [20] ق سمن قلمی نسخے کے کاتب نے یہ مثنوی بہت غلط لکھی ہے، جہاں قیاسی تصحیح نہ ہو سکی، اصل کے مطابق نقل کر دیا گیا ہے، کسی صحیح نسخے سے کوئی صاحب اس کی تصحیح فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔
ایک جگہ 'سنہرا چمن' آیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ 'ستھرا چمن' ہو۔

کلام سلیمان رقت وطالب

(۱)

کیا ہاتھ لگا مصر کے بازار سے اُن کے
پوچھے کوئی یوسف کو خریدار سے اُن کے

حاصل نہ ہوا کچھ کبھی اقرار سے اُن کے
محروم رہے آج بھی دیدار سے ان کے

اُترے ہوئے ہیں چرخ پہ خورشید و مہ تو
اعجاز رخ و ابرو خم دار سے ان کے

کافر ہی کیا عشق بتاں نے ہمیں آخر
تار رگِ جاں گھٹ گیا زنار سے ان کے

ہر رات پڑا ہے مجھے کالے کو کھلانا
کیا عشق ہوا طرّۂ طرار سے ان کے

خورشید قیامت نے کہاں تاب یہ پائی
ہمچشمی کرے روزن دیوار سے ان کے

ہے سرخی پان کا لب معشوق میں دھوکا
ٹپکے ہے یہ خون تیر کے سوفار سے ان کے

گل کھائے تھے بلبل نے جو چھوٹا وطنِ گل
بوئے ستم آتی ہے پھلی ہار سے ان کے

کرتے ہیں اب انساں بھی سلیماں سے کنارہ
یا فخر تھا پریوں کو کبھی پیار سے ان کے

(۲)

اس قدر بیتاب مت ہو تیغ قاتل دیکھ کر
جائیو مقتل میں تو بت اپنی لئے دل دیکھ کر

یاں دل حیراں کے درد و غم ہوئے آئینہ دار
آئینہ لے سادہ رو تیرے مقابل دیکھ کر

کہتے ہو تم کو نہیں جانے کا بن اس کے لیے
زور ہی للچائے کچھ تم مفت کا دل دیکھ کر

چاہیے گھر میں دلا اس مہ کے تب تو جائیو
سوچ ساعات اور کواکب کے منازل دیکھ کر

کی نظر مجھ پر تو اس نے ترس کھا کر رو دیا
ہتکڑی اور طوق پاؤں میں سلاسل دیکھ کر

عشق نے وحشت کے مکتب کا خلیفہ کر دیا
قیس اور فرہاد میں سے مجھ کو قابل دیکھ کر

کر دیا اس نے مقید جب بقید پیچ و تاب
کاکل پیچاں کا اپنے مجھ کو مائل دیکھ کر

ہم نے بھی جا گیر دشت ہرزہ گردی لے لیا
عشق کی اقلیم میں وحشت کا عامل دیکھ کر

اک غزل کی اور فرمائش ہے رقت آپ کو
فن علم شعر میں اُستاد کامل دیکھ کر

اپنے دل کو آہ میں مقتل میں بسمل دیکھ کر
رہ گیا کن حسرتوں سے سوئے قاتل دیکھ کر

کب بگولا ہے یہ روح قیس کرتی وجد ہے
رونق افزا نجد میں لیلیٰ کا محمل دیکھ کر

گل کو بلبل شمع کو پروانہ قمری سرو کو
بھول جاتے ہیں تری شکل و شمائل دیکھ کر

شکل جوزا یاں حمائل زخم گردن میں پڑا
تیغ کو قاتل کی گردن میں حمائل دیکھ کر

آہ کیا کیجیے کہ یاں دل بر میں تڑپا جائے ہے
ابھرے رخسارے ترے بوسے کے قابل دیکھ کر

کھل گیا احوال دل کا صاف چشموں میں آہ
قطرہاے اشک میں اب خوں کو شامل دیکھ کر

داغ کھایا ہے قمر نے رشک سے لے ماہرو
جلوہ گر رخسارۂ پرنور پر تل دیکھ کر

رقت آنکھوں پر پڑے پردے ہزار دل انچ یاں
اپنے ان کے درمیاں پردے کو حائل دیکھ کر

۳

کبھی آنسو سے کبھی لخت جگر سے برسے
اپنی آنکھوں سے تو کچھ، لعل و گہر سے برسے

اشک اُڈا ہے مرا ابر سے کہہ دے کوئی
آبرو چاہے تو ہٹ کر مرے گھر سے برسے

جی گیا زور گیا آپ کا کیا یار گیا
سینے سے، چشم سے، اور دیدۂ تر سے برسے

جس قدر ابر تو برسے ہے پچھاڑوں میں اگر
اتنا پانی تو مرے دامن تر سے برسے

اس قدر ابر میں قطرات کہاں تھے یہ تو
کسی مشتاق کے ہی دیدۂ تر سے برسے

رات بھر نالے کیے ہم نے، تو دن بھر روئے
جس قدر شام سے گرجے تھے سحر سے برسے

اس کے آنے کا ہوا وقت بھلا ابر کو دیکھ
خون دل کیوں نہ مرے دیدۂ تر سے برسے

یہ تو کہتا نہیں میں منہ یہ نہ برسے لیکن
جب وہ آجائے تو پھر جتنا یہ برسے، برسے

اشک گلگوں نہیں یہ لخت جگر ہیں طالب
آج آنکھوں سے جو کچھ اپنے شررے، برسے

کل شب فرقت ہماری کیا ہی خواری سو کٹی
کچھ کٹی زاری سے، کچھ اختر شماری سے کٹی

کچھ وصال اور وصل میں اپنا نہیں ہے اختیار
زندگی اپنی بہت بے اختیاری سے کٹی

آپ نے ہم کو کیا دل سے فراموش اس قدر
اور ہمیں ہر پل تمہاری یادگاری سے کٹی

کچھ نہ پوچھو دوستو فرقت کے بیماروں کا حال
دن کٹا نالے سے اور شب بیقراری سے کٹی

ایک دن دیکھی نہ میں نے واے حسرت شکل یار
مثل نرگس عمر اپنی انتظاری سے کٹی

مرگئے لیکن نہ کی افسوس کچھ یاد خدا
عمر کٹنے کو کٹی، پر شرمساری سے کٹی

حیف ہے صد حیف ہے افسوس صد افسوس ہے
زندگی طالب تری بے اختیاری سے کٹی

اوراق پارینہ

(۱) دیوان ہمایون بادشاہ، از جناب حافظ شمس الدین احمد صاحب ایم اے پروفیسر پٹنہ کالج (۲) دریائے لطافت حصہ عروضی مصنفہ قتیل ازق ع و (۳) دیوان راغب از ق ع ذ

(۱) دیوان ہمایون بادشاہ

ہندوستان کی تاریخ میں، ہمایون بادشاہ کی شخصیت نہایت دلچسپ ہے، بابر کی عظیم الشان سلطنت کا وارث ہونا، بھائیوں کی پیہم مخالفت اور غداری، پٹھانوں سے مقابلہ اور شکست، ہندوستان کے تخت و تاج سے دست برداری مدتوں دشت و جبل میں آوارہ گردی، شاہ ایران کے یہاں پناہ گزینی، شاہ کی مدد سے قندھار و کابل پر قبضہ، وہاں سے پھر ہندوستان پر تاخت، فتح اور بادشاہی، یہ واقعات ایسے ہیں کہ جس شخص کو بھی پیش آتے اس کے سوانح حیات کو رنگین بنا دیتے. لیکن ہمایون ایک رنگین طبع شاعر تھا۔ زمانے کے سرد و گرم چکھنے اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنے کے باوجود اپنی فطری رنگینی سے کبھی محروم نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے واقعات زندگی اپنے اندر ایک ایسی جاذبیت رکھتے ہیں، جو پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو تمامتر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اس رنگین مزاج بادشاہ کو مطالعۂ کتب، جنگ و جدل سے اور شعر و شاعری، سیر و سفر سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی تھی، مگر جب جنگ و جدل پر مجبور کیا جاتا تھا تو میدان جنگ میں اپنے شیر دل باپ کا خلف الرشید ثابت ہوتا تھا۔ اور جب مصائب حیات کے طوفان میں گھر جاتا تھا تو اس کا عزم و استقلال ساتھیوں کی ڈوبتی ہوئی کشتیوں کی ناخدائی کرتا تھا اور کنارے لگا دیتا تھا سب سے زیادہ دلچسپ اور پُرلطف بات یہ ہے کہ اُس آوارگی کے عالم میں بھی سوائے چند جاں نثاروں کے دنیا میں اس کو کوئی اپنا ہمدرد نظر نہیں آتا تھا اور ہر طرف خطرات و مصائب اور فقر و فاقہ کی ڈراؤنی صورتیں دکھائی دیتی تھیں، اس کی طبعی شگفتگی اپنے جوہر دکھایا کرتی تھی اور موقع موقع سے دلچسپ لطیفے اور رنگین اشعار اس کے دماغ سے نکل کر ساتھیوں کی کلفت کو دور کر دیا کرتے تھے۔

ایسے زندہ دل بادشاہ کے کلام کی جس قدر، قدر ہونی چاہیے تھی، نہ ہوئی، اور آج بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ وہ شاعر تھا اور اس کا دیوان بھی تھا۔ ہاں وہ حضرات جن کی نظر اس عہد کی فارسی تاریخوں پر ہے، ضرور اس سے واقف ہیں کہ نہ صرف ہمایون، بلکہ اس کے خاندان کے اکثر افراد شاعر تھے، اور اس فن لطیف سے خواتین بھی محروم نہ تھیں، اس کی بہن گلبدن بیگم مصنف ہمایون نامہ اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھی، اس کا یہ شعر :-

ز ہشیاران عالم ہر کرا دیدم غمے دارد   دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد

آج تک زبان زد خلائق ہے، اور واقعی عجیب کیف و سرور سے لبریز ہے، اس کے بھائی عسکری، ہندال، کامران سب شاعر تھے، خصوصاً کامران کی شاعری نہایت رنگین ہوتی تھی اور اپنے اندر ایک امتیازی شان رکھتی تھی، کامران کے دیوان کا ایک نہایت نایاب قلمی نسخہ، مشرقی کتبخانہ بانکی پور میں محفوظ ہے اور جناب پروفیسر محفوظ الحق صاحب ایم اے پریسیڈنسی کالج کلکتہ نے اس کو اپنے تحشیہ اور تصحیح کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا ہے. خود اس کا باپ بابر نہایت قابل ادیب اور اچھا شاعر تھا

اور فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں یکساں طبع آزمائی کرتا تھا۔ فارسی میں اس کا یہ شعر :-

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ۔۔۔ نوروز و نو بہار و مے و دلبرے خوش است

عجب تازگی اور کیفیت رکھتا ہے۔ جس خاندان کا یہ حال ہو کہ اس کے اکثر و بیشتر افراد تیغ و قلم دونوں کے مالک ہوں اُس میں ہمایون جیسی ممتاز ہستی کو ممتاز تر ہونا چاہیے تھا اور یہی ہوا۔ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔ علوم و فنون سے اس کو خاص شغف تھا۔ ریاضی اور ہیئت کا وہ ماہر تھا، زائچہ و احکام میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ایجاد و اختراع کا مادہ اس کی طبیعت میں بدرجہ اتم تھا۔ وہ ایسی ایسی چیزیں بنایا کرتا تھا، جو عام لوگوں کے ذہنوں میں بلکہ خواب و خیال میں بھی نہیں آتی تھیں۔ اس کے مخترعات میں سے 'باغ رواں' اور 'خرگاہ فلکی' اپنی آپ مثال تھے، اس کی مجلس میں ہمیشہ علمی چرچے رہا کرتے تھے اور شعر و شاعری، بذلہ سنجی و بدیہہ گوئی گویا اس کی گھٹی میں پڑی تھی، خود بابر کو اس کی ان صفات کا اعتراف تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ ہمایون ۔۔۔ بہت اچھا رفیق و مصاحب ہے۔

ہمایون کی شاعری کے متعلق اہل تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ سام مرزا اپنے تحفۂ سامی[1] میں ہمایوں کے متعلق لکھتا ہے کہ " در نظم اشعار خسرو ارباب نظم و در حسن گفتار و حسن المقال سر دفتر ارباب فہم ...... این مطلع زادۂ طبع شریف ایشانست۔ ے

" آں نہ سرو است کہ در باغ سرافراختہ است ۔۔۔ شمع سبزیست کہ پروانۂ او فاختہ است"

اسی طرح صاحب تاریخ خاندان تیموریہ[2] اس کے متعلق کہتا ہے کہ " شعر بغایت نیکو می گفت و در انشاء ید بیضا داشت" ملا نظام الدین اپنی طبقات اکبری[3] میں فرماتے ہیں کہ " در علم نجوم و ریاضی بے بدل بود و شعر نیکو گفتے"۔ غرض اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ ہمایون شاعر تھا اور اچھا شاعر تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے کلام کا کوئی مجموعہ بھی ہوگا، اس زمانے میں اور اس سے بہت پہلے سے دواوین کا رواج تھا۔ خود اس کے بھائی کامران کا دیوان جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے موجود ہے۔ لیکن ہمایون کا دیوان کہیں نظر نہیں آتا۔ نہ صرف ہندوستان کے کتبخانے اس سے خالی ہیں بلکہ یورپ میں بھی جہاں ہندوستان کا بیشتر علمی سرمایہ منتقل ہو چکا ہے، اس کا پتا کہیں نہیں چلتا۔ ہمایون کے متعلق کسی ایسی وارستہ مزاجی کی بھی شہادت نہیں ہے کہ جس سے یہ قیاس ہو سکے کہ اپنے کلام کی تدوین کی طرف اس نے کبھی توجہ نہیں کی۔ اگر کہا جائے کہ اس کی زندگی بے اطمینانی اور آوارہ گردی میں گزری اس لیے دیوان

---

[1] تحفۂ سامی مصنفۂ سام مرزا صفحہ ۱۶ نسخۂ قلمی نمبر ۶۸۲ کتبخانۂ مشرقی بانکی پور۔ پٹنہ۔

[2] تاریخ خاندان تیموریہ صفحہ ۲۹۵ نسخۂ قلمی نمبر ۵۵۱ کتبخانۂ مشرقی بانکی پور۔ پٹنہ۔ یہ نسخہ نہایت نایاب اور بے مثل ہے۔

[3] طبقات اکبری صفحہ ۱۹۲ نسخۂ قلمی نمبر ۵۳۵ کتبخانۂ مشرقی بانکی پور۔ پٹنہ۔

مرتب نہ ہو سکا تو قریب قریب یہی حال اس کے بھائی کامران کا بھی رہا پھر اس کا دیوان کیونکر مرتب ہو گیا؟ ہمایون بادشاہِ وقت تھا اور اس کے ادنیٰ اشارے پر اس کا دیوان مرتب ہو سکتا تھا۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ اس کا دیوان بھی ضرور ہو گا اور اس کی شہادت بھی موجود ہے۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں صاف لکھا ہے کہ "توجہ عالی بشعر و شعر انیز داشتند و از آنجا کہ طبع موزوں از خصائص فطرات سلیم است در خلال اوقات ارادت قدسی و آنچہ از حقیقت و چہ از مجاز در سلک نظم می کشیدند۔ دیوان شعر آنحضرت در کتابخانۂ عالی موجود است"۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہمایون کا دیوان تھا اور اکبر کے زمانے میں شاہی کتب خانے میں موجود تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ دیوان کیا ہو گیا؟ یہ یقینی امر ہے کہ بہت سے ایسے شعرا کے دیوانوں کی طرح جو باوجود حسنِ کلام مقبولِ عوام نہیں ہوئے اور ان کی نقلیں کثرت سے نہیں ہوئیں، ہمایون کے دیوان کی بھی بہت کم نقلیں ہوئیں۔ اور جو ہوئیں بھی وہ ضائع ہو گئیں۔ چنانچہ اکثر تذکروں میں اس کے شاعر ہونے کا ذکر اور اس کے کلام کا نمونہ ملتا ہے مگر اس کے دیوان کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دیوان کا وہ نسخہ بھی جس کا ذکر ابوالفضل نے کیا ہے، زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رہا اور جلد ہی ضائع ہو گیا۔ بہر حال یہ تقریباً مسلم ہو چکا تھا کہ ہمایون کا دیوان مفقود ہو چکا ہے۔ یہ محض حسنِ اتفاق ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ راقم کو اس کے عزیز دوست سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ کالج کی وساطت سے مل گیا۔ یہ گوہرِ بے بہا دراصل سید ناصر علی صاحب دیوان کھجوہ ضلع چھپرہ کے موقوفہ کتب خانے میں تھا اور وہیں سے حاصل ہوا۔ اور جناب نواب سید مبارک علی صاحب نے جو دیوان صاحب مرحوم کے اوقاف کے متولی ہیں خاکسار کو بہ توسط پروفیسر حسن عسکری صاحب اس کی اجازت دی ہے کہ اس دیوان کا ایک تنقیدی اڈیشن شائع کرے۔ چنانچہ دیوان مذکور کے متعلق تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری ہے اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں وہ منظرِ عام پر آجائیگا۔

دیوانِ ہمایون کا زیرِ نظر نسخہ کافی قدیم ہے اور ڈھائی تین سو برس سے کم پرانا نہیں معلوم ہوتا۔ پرانے دیسی کاغذ پر جو نہ صرف کرم خوردہ ہے بلکہ اپنی قدامت کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گیا ہے روشن اور خوشخط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ حاشیے پر سنہری جدولیں ہیں اور ہر ورق پر اور مختلف اوراق کے گوشوں پر نہایت خوبصورت رنگین نقش و نگار ہیں۔ مسٹر ہائیک بار ایٹ لا بانکی پور کا جن کے پاس قلمی نوادر کا بیش بہا خزانہ ہے اور جن کو اسلامی مخطوطات اور تصاویر کے متعلق کافی معلومات ہیں۔ یہ خیال ہے کہ دیوان مذکور کشمیری فنِ کتابت کا نمونہ ہے اور ایرانی فنِ کتابت کے انداز پر ہے۔ لیکن اس نسخے میں بہت بڑی کمی یہ ہے کہ نہ تو اس پر کاتب کا نام ہے، نہ سنِ کتابت ہے، نہ کسی کی ملکیت کا کوئی ثبوت ہے، نہ کسی قدیم شخص کی مہر یا دستخط ہیں۔ اس اعتبار سے یہ نسخہ دیوان کامران کے نسخے سے جو کتبخانہ مشرقی بانکی پور میں ہے، بہت کم رتبہ ہے اور قدامت میں بھی اس سے بہت پیچھے ہے لیکن بڑی بات یہ ہے کہ یہ دیوان ہمایون ہی کا ہے کسی دوسرے شاعر کا دیوان نہیں۔ راقم اپنی تحقیقات سے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ دیوان بلا شک و شبہ بادشاہ ہمایون کا دیوان ہے۔ اس کے دلائل انشاء اللہ آئندہ مضمون میں پیش کیے جائیں گے۔

لہ اکبر نامہ نسخۂ قلمی صفحہ ۱۳۹ جلد اول۔ کتبخانہ مشرقی بانکی پور پٹنہ۔

(۲) دریائے لطافت حصۂ عروض مصنفۂ قتیل

یہ حصہ ص ۳۶۶ کے آخر سے شروع ہو کر ص ۳۹۰ پر ختم ہوتا ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے ۔ جزیرۂ چہارم در عروض ا کیفیت شہر دل آویز دراں تماشا می تواں کرد' وور ہندی خاص سوائے اردو پنگل نامند۔

قتیل نے عروض کی اکثر اصطلاحوں کو اپنے حال پر رہنے دیا اور ان کا ترجمہ کرنے یا ان کے بدلے ہندی الاصل الفاظ وضع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ان کا سارا زور طبیعت اس پر صرف ہوا ہے کہ تقطیع کے لیے ان الفاظ کی جگہ جو عرب عروضیوں نے تجویز کیے ہیں' جہاں تک ممکن ہو اپنے زمانے کی طوائفوں کے نام بھر دیں' چنانچہ مفاعیلن کی جگہ پری خانم کو دی گئی ہے اور مستفعلن لکھنؤ پہنچ کر چنچل پری بن گیا ہے ۔ بقیہ ارکان کے نام حسب ذیل ہیں :۔

فاعلاتن = نور بائی، متفاعلن = چتوت ہتنی، مفاعلتن = بتاس پتی' فاعلن = چت لگن، فعولن = پیازو، مفعولات = صاحب بخش۔

زحافات یہ ہیں :۔ قلندرو، ملاگیر، گجراتی' بی جان' چت لگن، پیازو' لگوڑ۔ (ایں لفظ نام ہیچ محبوبہ نباشد بلکہ از جملہ صفات است بر ہر دو وزن' بر دو صادق می آید) جان' جی (جان وجی و لگوڑ ہر چند نام نمی باشد' لیکن در تسمیہ جائے تکرار نیست پری خانم سہ کنیز خود را موسم بایں نامہا کرد) البیلی، انمول، چت لگن، نور بخش، مجاوی' گجراتن، بیگی جان، پری، سجنی، سجنی جان، بی جان، مال دہی، دیدار بخش، گوری، پیازو، مراد بخش، بڑی پیازو، راج دلاری، نیری (بزبان برج بمعنی عروس)

قتیل نے تغیر کا نام گھٹ بڑھ رکھا ہے اور زحاف کا سنگار' رکن سالم کو "صاحب طائفہ رقاص و خانگی" کہتے ہیں اور فروع کو کنیزان خانگی' یا نوچہ'

اردو ہندی بھاشا کے تعلقات باہمی کے متعلق قتیل کے حسب ذیل اقوال قابل توجہ ہیں :۔

(۱) " در ہندی خاص سوائے اردو پنگل نامند" ص ۳۶۶

(۲) " برائے متفاعلن لفظے در ہندی نباشد در فارسی ہم نیست الا بزبان برج ایں رکن رابد و لفظ حاصل می تواں کرد مانند چتوت ہتی بمعنی دیدآں زن محبوبہ" ص ۳۷۲

(۳) " البیلی لفظ اردو نیست، لیکن چوں الفاظ برج در زبان اردو مستعمل است بنا بر ضرورت مثل چتوت ہتی ایں ہم مضائقہ ندارد" ص ۳۷۷

(۴) " نزبائی از نور حسن و جمال در برج بہ انمول بروزن فعلات بمعنی بے قیمت ملقب شد ایں لفظ اردو بود لیکن از بہت فتحہ و نفاست (یعنی ن) زبان اردو تماند" ص ۳۷۸ قتیل نے اس باب میں مختلف شعرا کے حسب ذیل اشعار اور مصرعے نقل کیے ہیں' اور چار شربت کا بھی ایک جگہ حوالہ دیا ہے :۔

(۱) ہم ہیں قربان ان اداؤں کے

(۲) جہاں میں جنس مروت کا جا بجا ہے قحط — میں جانتا ہوں کہ دشمن مرا ہے یار مرا

کچھ تعجب نہیں اگر یہ شعر خود قتیل کا ہو۔

(۳) ہمارے پاس تراجب کسی نے نام لیا — (۴) کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

(۵) ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی — (۶) میں ڈھونڈھا دن ڈھلے دلبر کو کل بگھر بگھر یارو

(۷) در فراق او جہری فرض کن کہ شبہا را — جہری شیرازی — می تواں بروز آورد و روز را کسے چہ کند۔

(۸) جو کوئی ہم سے ستم کشتوں کو عبث ستا کر خفا کریگا — انشا — یہی کہیں گے کہ جاؤ صاحب خدا تمہارا بھلا کریگا

(۹) نور تجلی شعلۂ روئت دود لطیفش زلف چلیپا — قتیل — صبح قیامت چاک گریباں فتنۂ دوراں قامت زیبا

(۳) دیوان راغب تذکروں میں راغب کا نام محمد جعفر خان درج ہے، لیکن کاتب دیوان نے جعفر علی خان لکھا ہے
ان کے حالات زندگی کسی دوسرے موقع پر پیش کیے جائیں گے، اس وقت صرف اسی قدر کافی ہے کہ ان کا اصلی وطن پانی پت
تھا۔ لیکن ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی، نواب لطف اللہ خان صادق کے پوتے تھے، خرابی دہلی کے بعد لکھنؤ جاکر فارسی میں میرزا
فاخر کے شاگرد ہوئے تھے، وہاں سے عظیم آباد آئے تھے اور یہاں مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا سال ولادت سنہ ۱۱۵۶ھ اور
سال وفات سنہ ۱۲۱۶ھ ہے، علاوہ اُن تصانیف کے جو فارسی میں ہیں، اردو کا ایک بڑا دیوان اور دو چھوٹے دیوان مرتب کیے
تھے، ان کی تصانیف بہت کمیاب ہیں، اُردو کے ایک مختصر سے دیوان کے علاوہ جو کتبخانۂ مشرقی بانکی پور میں موجود ہے ان کی
کوئی تصنیف ہماری نظر سے نہیں گزری ہے۔ دناشیم کا یہ قول کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کے کتبخانے میں راغب کا دیوان موجود
ہے، صحت سے دور ہے۔ اس کتب خانے میں راغب تخلص کے ایک شاعر کا دیوان ضرور موجود ہے، لیکن وہ ترکی زبان میں ہے،
دیوان راغب چھوٹی تقطیع کے ۳۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ ابتدا کے کچھ ورق (ایک یا دو) غائب ہیں، آخری ورق موجود ہے، لیکن
اس کے قبل کے کچھ ورق ضائع ہو گئے ہیں، انتیسواں ورق اس مصرع پر ختم ہوتا ہے "مستی چشم بتاں تو ہی ہے" اشارہ کاتب سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کا ورق 'لن ترانی' سے شروع ہونا چاہیے۔ لیکن تیسویں ورق کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

ہر تار ساتھ اس کے ہے وابستہ میری جان — کاکل کا تیری ایسا گرفتار کون ہے۔

کیڑوں نے اس نسخے کو بہت خراب کر دیا ہے۔ صحاف نے بڑی محنت سے اسے درست کیا ہے، لیکن بہت سے اشعار بالکل
ضائع ہو گئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے بعض الفاظ غائب ہیں۔ مسطر پندرہ سطروں کا ہے، لیکن کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں
۱۵ اشعار ہوں۔ آجکل اس نسخے میں ۳۱، اشعار موجود ہیں کاتب نے یقیناً اس سے زیادہ لکھے تھے، کتاب کی ابتدا مصنف کے
دیباچے سے ہوتی ہے جو بجنسہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

" دنالۂ عشق است در سنہ یک ہزار و ... دو ہشت ہجری نبوی بعد تدوین کلام فارسی و ترتیب گلزار جعفری و رزجعفری،

وبہار جعفری کہ ہر یک نسخہ ایست علٰحدہ، مرتب ساخت وکوس شاعری در قلمرو سخندانی بایں ہمہ نادانی نواخت، از جناب آفرینندۂ سخن آفرینان چشم آں است کہ از چشم بدبیناں و نکتہ چینیاں محفوظ گرداند و قبول طبائع منصفان سخنداں رساند تا وسیلۂ یادگار رایں بدکردار شود، وایں ذرۂ بے مقدار از گوشۂ ضمیر خورشید نظیر اجلہ.. اعزہ استقبال برد. زیادہ سکوت بہتر و خاموشی خوشتر. شعر مثنی:-

"کم خندہ و تبسم، بسیار چشم تر بہ جز تعدۂ غم دوست ہر تعدۂ مختصر بہ"

والسلام احسن الکلام، تمت کلام دیباچہ

دیوان کے پہلے صفحے میں ۸ شعر اور ایک مصرع ہے۔ پہلی غزل کے تین شعر یہ ہیں:-

بندے سے بھلا وصف ہو کس طرح خدا کا مطلع ہر دیوان مقدور ہے انساں کو کہاں اس کی ثنا کا

روشن ہے جہاں اس کی تجلی سے سراسر خالق ہے وہی ہر دمِ وارض و سما کا

ممنوں ہیں ترے ظلم کے مشکور جفا ہیں توصیف نہیں قدر شناس اہلِ وفا کا

ایک غزل میں اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا ہے اور اپنے کلام کی مقبولیت کی دعا کی ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:-

۱ درخواست مری تجھ سے ہے یہ بار خدایا گفتار کا میری ہو مددگار خدایا

۲ ہو سحر سے ما تا مری گفتار خدایا تاثیر سخن میں ہو مرے حد سے زیادہ

۳ مقبول جہاں ہوں مرے اشعار خدایا رہتا ہوں شب و روز میں تجھ سے یہی خواہاں

۴ حشر میں مرے ہاتھ میں دامن ہے اس کا کہتے ہیں جسے احمد مختار خدایا

۵ شافع ہو مرا حیدر کرار خدایا خاتون قیامت کے غلاموں میں سمجھ کر

۶ وے آلِ پیمبر جو ہیں اطہار خدایا ان کی نگر لطف رہے حال پہ میرے

ایک شعر میں اپنے استاد مکینؔ سے استفاضے کا اعتراف کیا ہے:-

"ہوا .. مرتب شکر صد شکر مکیں کے فیض سے دیوان راغب"

فراقؔ دہلوی میں ایک شعر کہا ہے:-

تازہ ہیں دہلی کی فرقت میں ہمارے دل کے داغ .. آنکھوں میں ہماری باغ ہے ویراں ہنوز

ایک مقطع میں میرؔ کے ایک مصرع کی تضمین کی ہے:-

راغبؔ یہ مضطرب ہے نہایت بقول میرؔ "سمجھاؤں کس طرح دل خانہ خراب کو"

نقل کا انداز یہ ہے، لیکن اس رنگ کا صرف یہی شعر دیوان میں ملا ہے:-

راغب کے تئیں کیسے گر استاد بجا ہے اس کا تو ہر اک شعر ہے دیوان کے برابر

ایک شعر میں نام کی رعایت معلوم ہوتی ہے:-

پھول یہ جھڑی ہے گلستانِ عشق کی

ذیل میں ان کے منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں :-

اے خوشا دل کہ بہ مستی بے پندار رہا

پھولتے ہی رہے ہر لحظہ گل داغ اس کے

ہیں شاہوں کے در پر شوق ان کو جبہ سائی کا

ان دونوں جوش پہ یہ دیدۂ تر ہے اپنا

آگے جائیں تو کہاں جائیں ہم آوارۂ شوق

صد پارہ ہوا آہ دل اپنا جگر اپنا

از بس کہ نم آلود ہی پایا اسے بھر عمر

ہمارا سیل اشک آخر ہمارے تا گلو پہنچا

نہ جرأت ہو سکی حرف و حکایت کی حضور اس کے

بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور اس کا اب

نہیں کوئی گلی ایسی جہاں چرچا نہیں میرا

خفا ہو کر یہ بولا پھر تو آیا سامنے میرے

مجھے بخت رسا پر اس کے راغب رشک آتا ہے

ہے آٹھ پہر میرے تئیں دھیان کسو کا

کیا جانیے کوئی جان سی جاتا رہے تجھ بن

پردہ جو تو نے مکھڑے سے اپنے اٹھا دیا

جب تلک میں نہ جان سے گزرا

موم سمجھے تھے دلِ یار سو آہن نکلا

سینہ چاکی و جگر کاوی کیسے آتی تھی

دونا ہوا غرور مرے مست ناز کا

دلا صبح چمن کی مست ہوں کر

دلِ پر شور راغب کے تو آگے

کیا ضبط اس کے ڈر سے نالہ و زاری کو میں یاں تک

راغب کا جو لباس ہے اے مہربان زرد

آ کے غفلت کدۂ دہر میں ہشیار رہا

ساحتِ سینہ مرا تختۂ گلزار رہا

جنہوں کو یار کے کوچے میں دعویٰ ہے گدائی کا

کام اب گریہ ہی پر شام و سحر ہے اپنا

کوچۂ یار ہی تک سیر و سفر ہے اپنا

اے آہ عجب تو نے دکھایا اثر اپنا

سوکھا نہ کبھو دامنِ مژگانِ تر اپنا

ہم ایسے روئے تجھ بن پر نہ ہم تک آہ تو پہنچا

رہے خاموش ہم جب آہ وقت گفتگو پہنچا

ہماری بزم عشرت میں جو تو لے کر سبو پہنچا

مری آوارگی کا شور اب تو کو بکو پہنچا

جو ہیں میں بعد یک مدت کل اس کے روبرو پہنچا

حریم وصل میں جو یار کے بے جستجو پہنچا

میں محو خود رفتہ ہوں ہر آن کسی کا

کہتا ہوں نہ جایاں سے کہا مان کسی کا

دل سے ہمارے طور کا جلوہ بھلا دیا

وہ نہ جب تک امتحان سے گزرا

جانتے تھے جسے ہم دوست سو دشمن نکلا

ہم ہی دو چار دوانوں سے بچ یہ فن نکلا

خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا

خیالِ شام مرغانِ قفس کر

نہ یہ برزہ درائی اے جرس کر

کہ آہیں لب تک آ کر پھر گئیں اور اشک مژگاں تک

گہے خنداں ہوں اپنے حال پر اور گاہ گریاں ہوں | عجب حالت ہے میری اے عزیزو سخت حیراں ہوں
نہ ہو آوارہ اے شورِ جرس میری تگ و دو میں | کہ میں وحشت زدہ دور آپ سے ہی صد بیاباں ہوں
سخن کی تہ کو جو پہنچے وہی پائے مجھے راغب | کہ ہوں میں معنیِ نازک سخن میں اپنے پنہاں ہوں

منزل کبھی نہ پہنچے ازبسکہ ناتواں ہوں | پس رو ہوں کارواں کا میں گردِ کارواں ہوں
میں مرغِ پرشکستہ ہوں ننگِ بوستاں کا | نہ زینتِ قفس ہوں نہ زیبِ گلستاں ہوں

تازگی ہر لحظہ ہے داغِ دلِ ناکام کو | یہ چراغ ایسا نہیں جس کو جلائیں شام کو
مثلِ گل اس باغ سے سب روئے خنداں لے چلے | شبنم آسا چشمِ گریاں ہم پریشاں لے چلے
سفر کا عزم ہے اس کو کہو اس آفتِ جاں سے | اقامت بڑھ کے کرنا حسرتِ دل کے بیاباں سے

دیوان کا آخری شعر یہ ہے:-

تجھ گلی میں پھرے ہے راغب آج | دل کے ٹکڑے بغل میں مارے ہوئے

خاتمہ:- تمام شد نسخہ دیوان راغب کہ اسم مبارک نواب جعفر علی خاں بود۔ بتاریخ سوم ماہ شوال روز پنجشنبہ
از خط خام احمد حسین۔

کاتب کچھ بہت خوشخط نہیں، ذی علم بھی نہیں معلوم ہوتا۔ نظارہ کو ایک جگہ نضارہ لکھا ہے، اس قسم کی اور غلطیاں بھی ہونگی۔

راغب کی زبان وہی ہے جو مصحفی وغیرہ کی ہے، ان کا پایۂ شاعری چنداں بلند نہیں، غزلوں میں اشعار کی تعداد کم ہوتی ہے۔ بعض زمینوں میں تو صرف دو تین شعر ہیں، بعض زمینوں میں دو غزلے بھی لکھے ہیں۔ لیکن اس پر بھی اشعار کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔

---

[۱] گلزار ابراہیم مطبوعہ و قلمی، نشتر عشق قلمی جلد اول، تذکرہ عشقی قلمی [۲] نشتر عشق جلد اول [۳] تذکرہ عشقی [۴] تاریخ ادبیات ہندی و ہندستانی ص

[۵] اس تعداد میں وہ اشعار شامل نہیں جن کے دو دو تین تین لفظ دیوان میں باقی رہ گئے ہیں یا جن کی جگہ پر سادہ کاغذ چسپاں ہو گئے ہیں۔ یہاں پر یک ہزار؟ دو صد و ہشت ہوگا، جہاں جہاں نقطے دیے ہوئے ہیں وہاں سے الفاظ غائب ہیں۔ [۶] دہلی کا نام ایک اور شعر میں آیا ہے۔

اس شوخ نیزہ باز کی پلکوں کو یاد کر | دہلی میں گر میں رووں تو پہنچے دکن میں آب

[۷] یہ غزل ہولی کی تعریف میں ہے۔ مطلع اور بعض اشعار یہ ہیں:-

ہولی میں ہو گیا ہے جو سارا مکان زرد | محفل ہر اک ہے جوں چمنِ زعفران زرد
دعوت میں کس طرح نہ مزعفر ہو جا بجا | مہماں سے لے کے آئے ہیں تا میزبان زرد
بندہ بجوتہ و پوش نہ کیوں جیب کر ہولی میں | پہنے لباس صاحبِ والا مکان زرد

* صاحب والا شان مرکوئی انگریز تو نہیں؟

غالب

(۱) پنج آہنگ غالب، از ق ع و (۲) غالب کے دو لطیفے، از ق ع و
(۳) سراپا سخن اور غالب، از ق ع و (۴) تذکرۂ سرور اور غالب

پنج آہنگ

پنج آہنگ، ۸ ۳/۴ انچ × ۵ ۱/۴ انچ تقطیع کے ۲۴۴ صفحوں کی کتاب ہے۔ پہلے صفحے پر عبارت ذیل درج ہے:-

بحسن توفیق ایزد متعال کتاب در علم قواعد فارسی و اشتقاق و تصحیح الفاظ و انشائے رشیقہ ہر قسم مصنفۂ قبلۂ ارباب جود و کرم مظہر فیض اتم شہنشاہ ممالک علوم عربی و فارسی ملک الشعرائے دوراں جناب فرخندہ خطاب نجم الدولہ دبیر الملک | مسمیٰ بہ پنج آہنگ | میرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ دام اقبالہم در مطبع دار السلام دہلی خاص جنبیۂ اقل العباد عنایت حسین بتصحیح حضرت مصنف دام برکاتہم باہتمام نور الدین احمد لکھنوی در ماہ اپریل ۱۸۵۳ء بحلیۂ اختتام پوشیدہ فقط

دوسرے صفحے میں ۶ سطریں ہیں، تیسرے سے ۲۰۵ تک ہر صفحے میں ۱۲ سطریں، اس کے بعد سے آخر تک ہر صفحے میں ۱۵ سطریں۔ پہلے صفحے کی پہلی سطر یہ ہے:- "بعد تقدیم نیایش داوار جہاں آفرین و تمہید ستایش حضرت سید المرسلین"

دیباچہ علی بخش خاں خلف الٰہی بخش خاں معروف کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، کہیں کہیں اصل فارسی عبارت بھی قوسین کے اندر نقل کر دی گئی ہے:-

علی بخش خاں، دہلی میں کم رہتے تھے، ان کا زیادہ وقت فیروز پور میں ان کے چچا فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خاں بہادر رستم جنگ کے ساتھ گزرتا تھا، (در سایۂ رافت آں والا پایہ پرورش می یافتم) فیروز پور میں ہر قسم کا عیش و آرام مہیا تھا اور امیروں کے لڑکوں کی طرح لہو و لعب میں وقت صرف کرتے تھے، شباب کی ابتدا تھی، اور ہر قسم کی فکر سے آزاد تھے، میرزا غالب کا علی بخش خاں سے دوہرا رشتہ تھا، انہیں اس کا خیال رہتا تھا کہ یہ کچھ لکھ پڑھ لیں (زمرے بہ آموزگاری من دانست) علی بخش خاں نے میرزا سے درخواست کی کہ چند اوراق میں ایک ایسا رسالہ لکھ دیجیے جس سے ہر قسم کے لوگوں کو خط لکھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے (حسب التماس من ورقے چند از آداب و القاب و شکر و رسید خطوط و شکوۂ عدم رسی مکاتبات بمن عطا نمود) میرزا نے ان کی خواہش کے مطابق رسالہ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد میرزا کا کلکتہ جانا ہوا اور اس کے بعد ہی احمد بخش خاں کا انتقال ہو گیا، ("عم نامدار کہ شفقت پدری بلکہ رحمت ایزدی از ذات بابرکاتش لمعۂ ظہور داشت") ان کے بڑے بیٹے شمس الدین خاں جانشین ہوئے، یہ بالکل ناتجربہ کار تھے، اوباشوں کی صحبت میں انہوں نے برے ڈھنگ اختیار کیے، ریاست کا انتظام بالکل ابتر ہو گیا۔ علی بخش خاں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ لکھنؤ اور جے پور گئے، لیکن وہاں کامیابی کی صورت نہ نکلی ۱۸۳۵ء کی ابتدا میں شمس الدین خاں کا حادثہ ہوا۔ اس کے بعد علی بخش خاں جے پور سے دہلی پہنچے اور میرزا غالب کے یہاں مقیم ہوئے۔ اسی زمانہ میں میرزا کا دیوان (مسمیٰ بہ میخانۂ آرزو سرانجام است تازہ فراہم آمدہ) مرتب ہوا تھا، علی بخش خاں اور میر محمد حسین نے میرزا سے

اس کی نثر سبقاً پڑھی، ان کے دل میں خیال گزرا کہ دیوان سے اگر نثر نکال لی جائے اور اس میں وہ رسالہ جو میرزا نے ان کے لیے لکھا تھا، اور متفرق عبارتیں شامل کردی جائیں تو ایک کتاب مرتب ہو جائے، حکیم رضی الدین حسن خان بہادر اور میر محمد حسین خان کا اصرار اور یہ خیال کہ یہ کتاب غلام فخر الدین خانؒ کے کام آئیگی، ان کے ارادے کو پختہ کرنے کا باعث ہوا اور پنج آہنگ تیار ہوگئی۔ کتاب کے ۵ باب ہیں۔ پہلے میں یہ ہدایت ہے کہ خط کس طرح لکھا جائے، کون کس طرح مخاطب کیا جائے اور اسی قبیل کی دوسری باتیں، دوسرے میں مصادر، مصطلحات، لغات فارسی درج ہیں، تیسرے میں میرزا کے اشعار ہیں جو خط لکھنے والوں کے لیے کارآمد ہیں، چوتھے میں میرزا کے لکھے ہوئے خطبے اور تقریظیں اور متفرق عبارتیں ہیں، پانچویں میں میرزا کے خطوط ہیں۔

آہنگ اوّل، میرزا کی تمہید کا خلاصہ اردو میں یہ ہے کہ ۱۲۲۱ھ میں انگریزوں نے بھرت پور پر لشکر کشی کی تھی اور قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، میرزا اور علی بخش خاں اس یورش میں احمد بخش خان کے ساتھ تھے۔ میرزا نے (عمر عالی مقدار لکھا ہے) علی بخش خان نے فرمایش کی کہ ایک رسالہ ایسا لکھ دیجیے جس سے خط لکھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ میرزا نے ان کی فرمایش کو رد نہ کیا اور مختصر سا رسالہ لکھ دیا، باوجود اس کے کہ میرزا کی روش کے یہ بات خلاف تھی کہ دوسروں کے مقرر کیے ہوے قاعدے کے مطابق القاب و آداب لکھیں، اور خیریت گوئی اور عافیت جوئی کو وہ بالکل فضول جانتے تھے، میرزا کے الفاظ یہ ہیں :-

"بیگانگی ایں روش از شیوۂ غالب مستمند نہ چنداں است کہ بہ گفتن نیاز داشتہ باشد و داناشناس داند کہ ہنجار من در نگارش ایں است کہ چوں کلک و ورق بگیرم مکتوب الیہ را بہ لفظے کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دہم و زمزمۂ سنج مدعا گردم القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زاید است ... و نیز دانا شناسد کہ دریں شیوہ گنجایش سخن گستری تا کجاست۔"

اس کے بعد میرزا نے یہ بتایا ہے کہ خط کی عبارت کس طرح کی ہونی چاہیے، میرزا کی ہدایتوں کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) لکھنے میں گفتگو کا رنگ ہونا چاہیے۔ (۲) عبارت ایسی نہ ہو جس کا سمجھنا دشوار ہو (۳) اگر خط میں کئی باتیں لکھنی ہیں تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ کسے مقدم رکھا جائے اور کسے مؤخر (۴) بات کو پیچ دے کر نہیں کہنا چاہیے (۵) دقیق استعاروں، مشکل و نامانوس لفظوں سے بچنا چاہیے (۶) مکتوب الیہ کے رتبے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے (۷) طوالت اور تکرار الفاظ سے احتراز چاہیے (۸) قواعد مقررہ کی پابندی ضروری ہے اور لوگوں کے مذاق کا خیال ضرور کرنا چاہیے، لیکن فارسی میں ہندوستانی فارسی نویسوں کے تصرفات کو قبول نہیں کرنا چاہیے، عربی الفاظ ضرورت سے زیادہ نہ استعمال کیے جائیں۔ (۹) معاملات کے خطوط میں خاص طور پر ان خطوط میں جو حکام کے پاس بھیجے جائیں، مبالغے اور اغراق سے بچنا ضروری ہے، اشاروں اور استعاروں سے کام نہ لیا جائے۔ لہجہ سنجیدہ، زبان نرم اور آسان ہونی چاہیے۔

اس کے بعد ہر درجے کے لوگوں کے القاب ہیں، گورنر جنرل کے لیے یہ القاب :-

جناب مستطاب معلی القاب، جہانیاں مآب، جم جاہ، انجم سپاہ، سپہر بارگاہ نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ وزاد افضالہ۔

القاب میں ایک آدھ جگہ قبلہ گاہی بھی آیا ہے، بظاہر ہندوستانی فارسی دانوں کا یہ تعرف مرزا کی نظر میں نامقبول نہ تھا، دوسرے اور تیسرے ابواب میں کوئی بات قابل ذکر نہیں، ان کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے کافی ہے، چوتھے باب کے مندرجات کی فہرست یہ ہے:۔

(۱) دیباچۂ دیوان فارسی (۲) دیباچہ گل رعنا (۳) دیباچہ دیوان ریختہ (۴) خاتمہ گل رعنا (۵) خاتمۂ دیوان فارسی (۶) تقریظ تذکرۂ اردو تالیف نواب مصطفیٰ خان بہادر (۷) نثر جو تصیدۂ مدحیہ کے عنوان کے طور پر لکھی گئی تھی (۸) نثر جو دیوان ریختہ کی پشت پر لکھ کر امام بخش ناسخ کو بھیجی گئی (۹) نوداری صبح (۱۰) ظلمت شب (۱۱) تقریظ دیوان حافظ (۱۲) دیباچۂ دیوان مرزا رحیم الدین بہادر (۱۳) عبارت درصفت مقطع الحروف (۱۴) عبارت تقریظ رسالہ مواد الکلام در صنعت تعطیل (۱۵) دیباچۂ دیوان ہرگوپال تفتہ (۱۶) تقریظ آثار الصنادید (۱۷) دیباچۂ دیوان ریختہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر نامی (۱۸) دیباچۂ تذکرۂ طلسم راز مؤلفہ میر مہدی۔

ﻋﮧ شمس الدین خان کو پھانسی کی سزا ملی تھی ﻋﮧ علی بخش خاں کے بیٹے

غالب کے دو لطیفے

(۱) پرانے زمانے میں راجا بھرت پور کے یہاں ایک منشی تھا، جسے انشا پردازی کا سلیقہ تو نہ تھا۔ لیکن باتیں خوب بناتا تھا راجا کسی بات پر اس سے خفا ہو گیا، اور ایک نیا منشی بحال ہوا۔ پرانے منشی کو بہت ناگوار گزرا اور اس فکر میں رہنے لگا کہ کسی طرح نئے منشی کو ذلیل کرے۔ ایک دن نیا منشی راجا کی طرف سے ایک سردار کو جو راجا کے دوستوں میں تھا اور جس کی خاطر راجا کو بہت عزیز تھی، خط لکھ رہا تھا۔ پرانا منشی سرہانے کو دیکھ کر مسکرانے اور منہ بنانے لگا، راجا اس وقت تو کچھ نہ بولا، لیکن جب خلوت ہوئی تو پرانے منشی کو بلا کر راجا نے اس حرکت کا سبب پوچھا۔ اس نے پہلے تو راجا کی مدح میں زبان کھولی اس کے بعد بولا کہ حضور! ہم لوگ پرانے نمک خوار ہیں۔ سرکار کا ہمیشہ بھلا چاہتے ہیں۔ نئے ملازموں کو اس کی کیا پروا۔ یہ دہلی والے تو خاص طور پر نمک کا پاس نہیں کرتے ہیں سردار صاحب کو براہ تنظیم مہربان بڑی رح سے لکھا کرتا تھا نئے منشی نے انہیں مہربان چھوٹی ہ سے لکھا ہے۔ اب جو وہ یہ فرق دیکھیں گے تو حضور کی طرف سے ان کے دل میں غبار آئیگا

یا نہیں ؟ یہ بات راجا کے دل کو لگ گئی ۔ نئے منشی کو بلا کر بہت خفا ہوا اور کہنے لگا کہ جب ہماری طرف سے برابر بڑی رح سے مہربان لکھا جاتا ہے تو تم نے سردار صاحب کو چھوٹی رہ سے مہربان کیوں لکھا ۔ نئے منشی صاحب برطرف ہوے اور پرانے اپنی جگہ پر آ گئے (ماخوذ از پنج آہنگ ص ۲۰ و ۲۱ ۔)

(۲) میرزا کے ایک شناسا یا دوست الف بیگ نامی تھے ۔ ان کے یہاں بڑھاپے میں لڑکا ہوا ۔ میرزا سے درخواست کی کہ نام رکھ دیجیے ۔ میرزا نے ہمزہ بیگ نام رکھا اور خط تہنیت کے ساتھ یہ رباعی لکھ بھیجی ۔

چوں الف بیگ در کہن سالی — پسرے یافت سربسر عزہ

نام او ہمزہ بیگ کردیلے — الف منحنی بود ہمزہ (پنج آہنگ ص ۲۲۵)

سراپا سخن اور غالب

سراپا سخن کا سال تکمیل [illegible] ہے اس تذکرے میں میرزا کا حال اور ان کی ایک غزل درج ہے ۔

" میرزا اسد اللہ خاں عرف میرزا نوشہ ولد عبد اللہ بیگ خان قوم ترک اولاد میں گشتاسپ کے ، مولد اکبر آباد ، مسکن دہلی دیوان فارسی اور ریختہ اور پنج آہنگ ان کی طبع زاد ہے [illegible] میر شعرائے دہلی ہیں ۔ مؤلف کو یہ غزل اپنے خط میں شیخ فدا حسین فدائی [illegible] دیبائی سے بھیجی تھی ۔

" دی سادگی سے جان پڑے کوہکن کے پاؤں — ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں "

کل ۹ شعر ہیں ۔ یہ غزل دیوان مطبوعہ میں نہیں ۔

بیچارہ کتنی دور سے آیا ہے شیخ جی — کعبے میں کیوں دبائیں نہ ہم برہمن کے پاؤں

جن صاحب کا تخلص فدائی لکھا ہے ان کے بارے ص ۱۴۱ پر لکھا ہے " شیخ فدا حسین فدا خلف شیخ کریم اللہ باشندۂ قصبہ دیبائی ضلع بلند شہر ، صاحب دیوان ' ارشد تلامذۂ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ "

میرزا نے اس تذکرے کے لیے ایک قطعۂ تاریخ بھی لکھا تھا جو کتاب کے ص ۳۹۲ اور ۳۹۳ پر درج ہے :-

اس کتاب طرب نصاب نے جب
آب و تاب انطباع کی پائی
فکر تاریخ سال میں مجھ کو
ایک صورت نئی نظر آئی
ہندسے پہلے سات سات کے دو
دیئے ناگاہ مجھ کو دکھلائی

اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا
بازاراں ہزار زیبائی
سال ہجری تو ہو گیا معلوم
بے شمول عبارت آرائی
مگر اب ذوق بذلہ سنجی کو
ہے جداگانہ کارفرمائی

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
بہ امید سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم
جن سے ہے چشم جاں کو بینائی
اور بارہ امام ہیں بارہ
جن سے ایمان کو ہے توانائی

ان کو غالب یہ سال اچھا ہے — جو ایسے کے ہیں تو لائق۔

غالب مادۂ تاریخ نکالنے سے گھبراتے تھے؛ طلسم راز مصنفہ میر مہدی کی تاریخ بھی انہوں نے اسی طرح نکالی ہے

تذکرۂ سرور اور غالب

تذکرۂ سرور میں غالب کا ایک شعر ہے جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں، لیکن یہ شعر یا تو غلط نقل ہوا ہے یا اصل نسخے ہی میں صحیح درج نہیں (مئی کے معیار میں غالب کے اشعار اس تذکرے سے لے کر درج کیے جا چکے ہیں۔)

جگر سے ٹوٹے ہوئے ہو گی سناں پیدا — دہان زخم میں آخر ہو گی زباں پیدا

میرزا کے متعلق سرور نے جو کچھ لکھا ہے وہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بعض الفاظ چھوٹ گئے ہوں:-

"اسد اللہ خان اسد، عرف مرزا نوشہ، اصلش از سمرقند، مولدش اکبرآباد، جوان قابل یارباش، دردمند، ہمیشہ بخوش معاشی بسر بردہ، ذوق ریختہ گوئی در خاطر متمکن، غمہائے عشق مجاز، تربیت یافتہ غم کدۂ نیاز، در فن سخن سنجی تتبع محاورات میرزا بیدل در ریختہ و محاورات فارسی موزوں می کند، بالجملہ موجد طرز خود است، و با راقم رابطۂ یک جہتی مستحکم دارد۔ اکثر اشعارش در زمین سنگ لاخ مضامین موزوں کردہ، رو بہ (؟) خیال بندی بیش از بیش بنیاد خاطر دارد"۔ (عمدۃ المنتخبہ نسخۂ قلمی دفتر ہند لندن)

اعظم الدولہ سرور عمائد دہلی سے تھے، ان کا سال ولادت معلوم نہیں، لیکن قرائن سے الٰہی بخش خان معروف کے ہم عمر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا تذکرہ عمدۃ المنتخبہ سنہ ۱۲۱۶ھ یا سنہ ۱۲۱۷ھ میں شروع ہوا اور نو دس برس میں اس نے کتابی شکل اختیار کرلی مگر اس کے بہت بعد بھی اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو غالب کا حال اس میں نہ ملتا کیونکہ غالب کی پیدائش سنہ ۱۲۱۲ھ کی ہے۔ سرور اور معروف کے مساویانہ تعلقات ہوں گے، معروف نے اپنے دیوان دوم میں یاد کیا ہے:-

"لکھ غزل اک اور بھی معروف سرور کے لیے — آج اس پر نکتہ فہمی نکتہ دانی ختم ہے"

غالب سے بھی باوجود تفاوت عمر دوستانہ تعلقات تھے، سرور غالب سے ملنے آیا کرتے تھے، اور غالب نے انہیں مرزا بیگ طپاں ابن ہادی بیگ خاں مقیم کلکتہ کا حال اور کلام بھی دیا تھا کہ اپنے تذکرے میں داخل کریں، جیسا کہ پنج آہنگ ص ۲۳۲ اور ۲۴۴ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے۔ طپاں کا حال کسی وجہ سے تذکرۂ سرور میں داخل نہ ہو سکا۔

۱۔ طبع سوم ص ۲۳۷۔
طبع اول ۱۲۷۔

بہار و بنگالہ

(۱) ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد ، ماخوذ از مراۃ الاحوال ، آقا بہبہانی ، مترجمہ جناب یوسف الدین احمد بلخی صاحب ایم اے ۔

(۲) بنگالہ کا پہلا گلدستہ ، ایک بہاری کا ادبی کارنامہ ، نتیجہ سخن ، از جناب حکیم حبیب الرحمن خان صاحب ۔

ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد

ماخوذ از مراۃ الاحوال آقا بہبہانی ۔ مترجمہ جناب یوسف الدین احمد بلخی

آقا محمد حسن ، ملا اسد اللہ اور ... میر صفدر علی لکھنوی ، خلف سید بر علی موسوی کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عظیم آباد کی طرف چلا ، میر صاحب نہایت مقدس اور صالح آدمی ہیں ، راستہ خوش صحبت رفیقان سفر کی وجہ سے بہت اچھی طرح کٹا ، ۲۸ ماہ مذکور کو رات کے تقریباً دو گھنٹے گزرے ہونگے کہ ہم لوگ جنت البلاد عظیم آباد پہنچے ، پائین مدرسہ سیف خان کشتی باندھ دی ، اور خود مدرسے میں قیام کیا ... سید کاظم علی خان بہادر اور ... امیر علی خان صاحب اور دوسرے اعزہ اسی شب ملاقات کے لیے آئے ۔ دن کو ... مہاراجا جھاؤ لعل ... نواب .. عباس قلی خان بہادر نصرت جنگ .. خلف .. نواب .. منیر الدولہ بہادر ... کے ساتھ تشریف لائے ۔ رمضان قریب تھا ، میں یہیں ٹھہر گیا ، اعزہ اور معتقدین ، میرے دل کو خوش رکھتے اور مسائل کی تحقیق کرتے رہتے ۔ دوستوں کی مہربانی اور محبت کی بدولت یہ مہینا بڑے لطف سے کٹا .... سلالۃ السادات ، علامی فہامی آقا سید حسن ، داماد جنت آرام گاہ جناب مرزا محمد مہدی شہرستانی ۔ قبل ہی سے اس شہر میں وارد تھے اور اب فیض آباد اور لکھنؤ کی طرف جانا چاہتے تھے ۔ انہیں تامل تھا کہ فیض آباد و لکھنؤ میں کسے ترجیح دیں ، انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا ، میں نے فیض آباد کے حق میں رائے دی ، اسے قبول کر کے فیض آباد کی طرف روانہ ہوئے ، ڈھاکے میں مجھے ان کا خط ملا جو بنارس سے انہوں نے لکھا تھا ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے بنارس سے لکھنؤ جانے کا فیصلہ کیا ہے ۔ مجھے حیرت اور پریشانی ہوئی ، اس لیے کہ یہ ابن حسین ہیں اور وہ کو نہ دیکھا گیا ہے کہ وہاں کے منافق ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں ۔ خدا انہیں محفوظ رکھے ..

عالی شان ... مسٹر ہنری ڈگلس صاحب بہادر کہ جج اور مجسٹریٹ یعنی اس شہر کے صاحب عدالت دیوانی و فوجداری ہیں ، اپنے ابنائے جنس میں نہایت ممتاز ہیں ، صفات حمیدہ اور فضائل جمیلہ سے متصف ہیں اور ہمیشہ لوگوں کی بھلائی کی راہ نکالنے میں معروف رہتے ہیں ۔ جب میرے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی سرکار سے ایک ہرکارہ مقرر کر دیا کہ میرے پاس حاضر اور میرے احکام کی تعمیل کرتا رہے ۔ اس شہر کے صاحب عدالت اپیل ... ناظم الملک صمصام الدولہ مسٹر ہاکنس صاحب بہادر ہیں ، جو فرقۂ انگریز کے منتخب شرفا میں ہیں ، اور طبقۂ امرا سے تعلق رکھتے ہیں ، انہیں ہر ملت اور طریقے کے ارباب کمال اور نامور اشخاص سے ملنے کا شوق ہے ۔ علوم و ادبیات عربیہ سے انہیں اتنی واقفیت ہے ،

کہ اپنے امثال و اقران میں سب سے آگے ہیں۔ اس شہر کے صاحبان عدالت میں سے.. مسٹر کرتنے اسمت صاحب بہادر بھی ہیں، یہ بھی اپنی قوم کے اچھے لوگوں میں ہیں، اور انہیں بھی باکمال اور دانشمند... لوگوں کی ہم نشینی سے رغبت ہے یہ بھی دو صاحبوں کی طرح جن کا ذکر اوپر گزرا ہے، نہایت متدین ہیں کسی فریق کی پاس داری نہیں کرتے اور ذرا سی توجہ سے مشکل سی مشکل باتوں کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں۔

میں اسی شہر میں تھا کہ مرشد آباد سے محترمہ مکرمہ بہو بیگم صاحبہ مرحومہ کا خط پہنچا کہ فرح باغ.. آپ کی سکونت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے، آپ مرشد آباد آئیں تو وہیں قیام کریں۔ اس شہر کے بزرگان و اعیان علی الخصوص.. نواب عباس قلی خان بہادر.. نے اصرار کیا کہ میں عظیم آباد سے نہ جاؤں، مجھے ذرا تامل تھا کہ کسے ترجیح دوں، دل کا میلان عظیم آباد کی طرف تھا کہ یہاں کے امرا اور اعزہ بخلاف دار الشرب مرشد آباد متقدس، متدین اور نیک کردار ہیں۔ اسی اثنا میں یہ بات سننے میں آئی کہ... نیکی کا دروازہ اس شہر میں بالکل بند ہو گیا ہے، اور وہاں کے لوگوں میں پہلے سے بھی زیادہ خدا بیگانگی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ بات اور بھی عظیم آباد کی ترجیح کا باعث ہوئی... القصہ، چند دنوں کے بعد نواب.. کریم قلی خان بہادر خلف اوسط نواب منیر الدولہ بہادر.. ملاقات کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے بھی اصرار کیا کہ عظیم آباد میں قیام کروں۔ نواب کریم قلی خان بہادر بڑی شان اور نام و نشان کے امیر ہیں، مدتوں شاہ عالم.. کی خدمت میں عزت، امتیاز کے ساتھ رہے، بادشاہ سے مقرب الخاقان، ضیاء الملک ضیاء الدولہ فرزند خان بہادر تہور جنگ خطاب ملا۔ فارسی اور ہندی کے شعر کہتے اور سمجھتے ہیں ان کی طبع رسا ہے اور گفتگو اور مجلس آرائی کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کی دوستی میں ثبات نہیں، نہ انہیں شریعت کی طرف جیسا چاہیے التفات ہے اور نہ سچائی میں استقامت ہے بزرگی اور سرداری کے بازار میں ناز و اجلال کے سوا کہ ایک نہایت کاسد اور بے رونق متاع ہے کچھ اور سرمایہ ان کے پاس نہیں۔ ان کے فرزند ارشد.. مہدی قلی خان پاکبازی اور دینداری میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ اور کریم قلی خان بہادر کو تعزیہ داری کے سوا جو ڈھول باجے کے ساتھ ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے لوگوں کا بہت اجتماع ہوتا ہے، کوئی اور نیک کام کرتے نہ سنا

اسی خاندان کے نیک لوگوں میں محمد صادق خان خلف مرحوم نواب محمد شجاع خان خلف اکبر منیر الدولہ ہیں۔ ان کے بھائیوں میں سے اکثر نیکی کی طرف مائل ہیں اور بار بار مجھ سے مل کر میرے دل کو خوش کیا کرتے تھے.. اس سفر میں.. سید یوسف علی خان خلف مرحوم میر غلام حیدر خان ہراتی کو کہ انہیں ضلع مظفر پور میں کہ اضلاع عظیم آباد سے ہے بد معاشوں نے کوسے مار ڈالا سید یوسف علی خان سید ہونے کے علاوہ، رقیق القلب اور خجستہ اخلاق ہیں، اور علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں، چنانچہ ملا محمد علی ترشیزی خراسانی کو کہ فقہ کی کتابوں کے ترجمہ ظاہر میں اس شہر کے دوسرے طلاب سے فی الجملہ بہتر ہیں، اپنے گھر لے جا کر رکھا اور ان کے کل اخراجات کے کفیل ہوئے اور ان سے شرائع الاسلام کا ترجمہ پڑھتے ہیں۔ اس شہر کے علما میں.. میرزا رستم علی خلف مولوی محمد حلیم کشمیری بھی تھے۔ میرزا رستم علی علوم معقولات میں اس شہر میں بے نظیر ہیں۔

اوران کی گفتگو بڑی اچھی ہے۔ یہ بھی مجھ سے استفادہ کرتے رہے۔ اس شہر کے علما میں ... اخوند ملا ابوالقاسم سمنانی بھی تھے، ان کی طبیعت سلیم اور ذہن کجی سے پاک ہے۔ اکثر علوم متداول علی الخصوص تاریخ اقوام مختلفہ سے خوب واقف ہیں۔ دوسروں کی طرح جتنا جانتے ہیں اس سے زیادہ دعوی نہیں کرتے۔ اسی سفر میں عالی شان .. کلب علی خان مخاطب بہ کرنیل صاحب خلف شیخ نصر اللہ ساکن پرسہ (ضلع عظیم آباد کی ایک بستی) سے ملاقات ہوئی، یہ آدمی رقیق القلب اور سخی واقع ہوئے ہیں، علما اور سادات سے انہیں بڑا خلوص ہے۔ انہیں مجھ سے بڑی محبت ..... ہے، اس سفر میں ... میر خادم حسین خان خلف میر شاہ علی خان صفوی سے ملاقات ہوئی جو میر محمد باقر خان اسلام خانی[ش] کے بھانجے ہیں یہ ایک ظریف، خوش صحبت .. جوان ہیں اور علوم عقلیہ کی تحصیل کا شوق رکھتے ہیں۔ برابر ملاقات کے لیے آتے رہتے تھے، دل ان سے مل کر خوش ہوتا تھا۔ اس سفر میں اور بھی بہت لوگوں سے ملاقات ہوئی، لیکن چونکہ ان کا نسب اچھی طرح معلوم نہیں، ان کا ذکر نہیں کیا۔ سب لوگوں کو مجھ سے مودت و دوستی بدرجۂ غایت تھی، لوگ برابر میرے پاس حاضر ہوکر رسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے ... چند روز کے بعد ... محمد نجم الدین خاں قاضی القضات ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر[ش] وارد شہر ہوئے اور مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے، یہ کاکوری کے رہنے والے ہیں جو لکھنؤ کے قصبات سے ہے۔ میں جب فیض آباد میں تھا، یہ اپنے اقربا سے ملنے کاکوری پہنچے تھے۔ میرے بعض رسائل ان کی نظر سے گزرے تھے اور مجھ سے غائبانہ محبت رکھتے تھے۔ ان کا فیض آباد آنا ہوا تو میری ملاقات کے لیے بھی تشریف لائے تھے۔ اور دوستی درجۂ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ خدا کرے کہ انہیں سعادت دارین نصیب ہو رمضان تمام ہوا تو میں نے مرشد آباد کا عزم کیا۔ اور ۷ شوال کو دوستوں سے رخصت ہوکر براہ دریا رفقائے سابق الذکر کے ساتھ منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔

---

[۱] مصنف ہر شخص کا نہایت ادب کے ساتھ نام لیتا ہے۔ بہت سے غیر ضروری الفاظ ترجمے میں نکال دیے گئے ہیں [۲] میر تقی کے ذکر کے بعد یہ عبارت ہے "ودر قریۂ ماندہ کہ محل سقبہ یار جہانست دازاں جا بجار بلطراق می برند لیدازدو روز رواز شدیم" پٹنہ کے دونوں نسخوں میں اسی طرح ہے [۳] شعبان ۱۲۲۲ھ [۴] یہاں پر یہ عبارت ہو جو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ "بسبب ضعیفہ فاحشہ فاجرہ ملعونہ کردانائی مرشد آباد واز صلب برادر میراں نامی ست [۵] یہاں یہ عبارت ہو کہ "زیراکہ امثال ایں فقیر را دوستی با ہر کسی خود زیادہ از ارادہ نیکی ذات عجیبہ صفات و اطوار و کردار اوست۔ باآں کہ بجہت تمشیت وادن امور فقیر او ذوالحجات است و ہر گاہ ہر روز بود بودہ و بنر وش علی السویہ خواہر بود۔ پس در خاطر خود مقرر نمودم کہ بسبب حرکت دادن عیال و فرستادن عالی حضرت آقا محمد حسن خراسانی بہ تمشیت امور ولایت بمرشد آباد بروم و بزودی مراجعت کنم" [۶] شجاع قلی خان نام تھا، بیٹے کا نام بھی صرف محمد صادق خان نہ ہوگا، لیکن دونوں نسخوں میں اسی طرح ہے [۷] اصلی عبارت "خلف .. میر شاہ علی خان صفوی از بطن ہمشیرۂ .. میر محمد باقر خان اسلام خانی" [۸] ان کے متعلق حسب ذیل عبارت ہے جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا "فاضلے است عالی شان و نہایت نجیبہ اخلاق و متواضع و در سرکار کمپنی بمنزلۂ صدر الصدور است۔ فتاوی و احکام عزل و نصب قضات در ظلم او متعلق است۔"

بنگالہ کا پہلا گلدستہ

ایک بہاری کا ادبی کارنامہ

نتیجۂ سخن

از جناب حکیم حبیب الرحمٰن خان صاحب

منشی محمد وزیر وزیر عظیم آبادی کلکتہ میں بہ شغل تجارت مقیم تھے، اور سندریہ پٹی میں ان کی دکان تھی۔ دکان کیا بیٹھک تھی ملک بھر کے رئیسوں سے شناسائی تھی، اور کلکتہ سے متعلق ان کی فرمائشیں پوری کیا کرتے تھے، گویا اس زمانے کے کمیشن ایجنٹ یا آرڈر سپلایر کی حیثیت رکھتے تھے، شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے، اور انہیں حکیم سجاد موہانی سے شرف تلمذ تھا۔ حکیم صاحب مرحوم آج سے پچاس برس قبل کلکتہ کے ممتاز حکیم اور بڑے قابل طبیب تھے۔ میں ان کے صاحبزادے حکیم سید بشیر حسن مرحوم سے ملا ہوں، وہ بھی قابل اور ذی علم طبیب تھے، حکیم سجاد کے اشعار میں نے نہیں دیکھے لیکن ان کا مطب شعر و سخن علم و ادب کی درسگاہ تھا اشعار بنا دیا کرتے تھے، مشاعروں میں شریک ہوتے تھے مگر خود نہیں پڑھتے تھے (مجھے یہی روایت پہنچی ہے) منشی آبد مرحوم مجھ سے خود فرماتے تھے کہ میں اور وزیر مرحوم نے شروع شروع میں خواجہ محمد شاہ شہرت عظیم آبادی سے اصلاح لی ہے، ممکن ہے کہ قیام عظیم آباد کے زمانے میں شہرت نے اصلاح دی ہو اور کلکتہ میں حکیم سجاد سے اصلاح لینے لگے ہوں، کیونکہ اس گلدستے میں آبد کے نام کے ساتھ بھی تلمیذ حکیم سجاد موہانی لکھا ہے۔ منشی عبدالرحیم آبد عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں ڈھاکہ آئے اور برسوں یہیں مقیم رہے ایک نکاح بھی کر لیا تھا، لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ محلہ بخشی بازار میں رہتے تھے، نوجوانوں کے شعر و سخن کی پرداخت ان کے ذمے تھے اور اسی پر معاش تھی، تقریباً ۱۲ برس یہاں رہے، بی بی کے مرنے کے بعد ڈھاکہ چھوٹا۔ کلکتہ چلے گئے وہاں مچھوا بازار میں قیام تھا، میں نے دو ایک بار تلاش بھی کیا، مگر کچھ پتا نہ ملا۔ سنتا ہوں کہ سات آٹھ برس ہوئے انتقال ہو گیا، شروع سے نعت کہتے تھے، غالباً سنہ ۱۳۱۲ھ میں سوز آبد کے نام سے پہلا دیوان شائع ہوا تھا۔ ان کے بعض اشعار اب تک میلاد خوانوں کی زبانوں پر ہیں۔

نتیجۂ سخن: جنوری سنہ ۱۸۸۲ء میں کلکتہ سے نکلا، یہ معلوم نہیں کہ کب تک زندہ رہا، لیکن فروری اور اپریل سنہ ۱۸۸۲ء کے پرچے میرے پاس موجود ہیں، طرحی اور غیر طرحی کلام شائع ہوا کرتا تھا۔ بڑی خصوصیت یہ تھی کہ طرح میں ترتیب

حروف تہجی کا خیال رکھا گیا تھا، اس میں غزلیں چھپواتے رہنے سے ہر شاعر کا دیوان مرتب ہو سکتا تھا۔ فروری ۱۳۰۳ھ کی غزلیں ردیف ش پر اور اپریل ۱۳۰۳ھ کی غزلیں ردیف ص پر ہیں۔ پہلے پرچے میں مصرع طرح الف پر ختم ہوتا تھا اور چوتھے میں ث پر۔

اس گلدستے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ فارسی گو شعرا کا کلام بھی شائع ہوتا تھا، کوئی پرچہ بھی اس سے خالی نہیں اکثر سوانح یا حالات ہوتے تھے، چنانچہ اپریل ۱۳۰۳ھ کے پرچے میں حادثۂ جاں گزا و سانحۂ غم افزا کے عنوان سے نواب ہمایوں قدر انجم نواب ناظم بنگالہ کے خلف اصغر کی بیماری، علاج اور رحلت کا حال اور انتقال کی تاریخیں ہیں۔

کبھی کبھی تصویر بھی شائع ہوتی تھی، مگر کیسی تصویر؟ ایک صفحے میں حاشیہ بنا کر درمیان میں تصویر لگانے کی جگہ رکھی جاتی تھی اور اس میں فوٹو لگا دیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں البتہ یہ بہت مزے کی بات تھی، مگر مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی تصویریں کم ہی نکلیں۔

فروری ۱۳۰۳ھ کے گلدستے سے معلوم ہوتا ہے کہ نتیجۂ سخن کے قدرداں دور دور کے لوگ تھے۔ افسوس ہے کہ اس پرچے کے ۴ صفحے غائب ہیں تاہم جہاں جہاں اس کے سرپرست اور مربی موجود تھے، اس کی ایک ناقص فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ اس میں ٹونک، مرشد آباد، بھاگل پور، ڈھاکہ، لوہاردا، کشن کوٹ، پرتاب گڈھ، میسور، پٹنہ، حیدرآباد، بنگلور، بروا، للت پور، الور، شملہ، جام نگر، کشمیر، کاٹھیاوار، مٹیا برج، ٹالی گنج، زیادہ نمایاں ہیں۔

اس گلدستے کے ہندو روسا بھی قدرداں اور مربی تھے، چنانچہ مہاراجہ بدھا نند سنگھ آف بنیلی افسر تخلص، راجہ نارائن سنگھ والی سون برسا۔ مہاراج بیر برمٹھاکر ہرکشن سنگھ ولی عہد کشن کوٹ متخلص بیدار شاگرد منشی بینی رام قائم۔ رائے امرناتھ للت پور۔ بابو چھنولال رئیس کلکتہ کے نام فروری ۱۳۰۳ھ کے پرچے میں موجود ہیں۔

تعجب ہے کہ نساخ نے وزیر کا ذکر اپنی کسی تصنیف میں نہیں کیا حالانکہ اس گلدستے کے وہ بھی مربیوں میں تھے۔ اگر اس کے سب پرچے مل جائیں تو بنگالہ و بہار کے اکثر شعرا کا نام و کلام مل سکتا ہے۔ چنانچہ کم ہی لوگ جانتے ہونگے کہ کلکتے کے نامور وکیل مولوی محمد یوسف بھی شاعر تھے۔ یا مہاراجہ بدھا نند سنگھ شاعر تھے اور افسر تخلص کرتے تھے اور حکیم سجاد موہانی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔

میرے پاس جو دو پرچے موجود ہیں ان کے سرسری مطالعے سے کلکتہ، مٹیا برج، ٹالی گنج کے باشندے یا مقیم حسب ذیل شعرا کا پتا لگتا ہے۔

حکیم سید حسن ایما دہلوی شاگرد داغ۔ مستند الشعرا خواجہ محمد مرتضیٰ بقا لکھنوی، حامد الدولہ بہادر برتر شاگرد جان عالم اختر، رئیس الدولہ سید تقی مہتاب الدولہ، شیخ الٰہی بخش تبسم، کاظم حسین جوہر شاگرد مہتاب الدولہ درخشاں، منشی عبد الصمد مسعود خلیل شاگرد عابد مرزا بیگم، مہتاب الدولہ کوکب الملک درخشاں، منشی رضا شاگرد جوہر، امداد حسین خان رضا شاگرد گلشن الدولہ

منشی عباس شاد شاگرد اختر، اسماعیل خان شوکت شاگرد اسخ، منشی شرف شاگرد مولوی سید علی حید رحیدر۔ میرن جان شیفتہ شاگرد بقا، سید عبد الغفور شہباز دانا پوری، مرزا علی شاگرد منشی ہنر، سید فرخ شاگرد سید علی حید رحید رطباطبائی مرزا فدا حسین فدا شاگرد گلشن الدولہ، سید مہدی قسیم شاگرد ہنر، سید عبد اللطیف کلکتی شاگرد بقا مولوی صادق علی مائل شاگرد جان عالم اختر، خواجہ حسن علی عظیم آبادی شاگرد اسخ، آغا مرزا انجم شاگرد مولوی حیدر، منشی فرزند علی ناظم رئیس کلکتہ۔ مولوی دلفگار شاگرد گلشن الدولہ بہار، سید علی ہمایون شاگرد بہار۔ میر یوسف علی لکھنوی شاگرد بہار، محمد یٰسین عظیم آبادی حنیف شاگرد آبد عظیم آبادی۔ شیخ محبوب نجم خلف شیخ محمد علی کلکتہ۔ مولوی وحید رئیس کلکتہ شاگرد فریاد عظیم آبادی، منشی عابد مرزا بیگم ریختی گو، حاجی قمر الدین اجی ریختی گو، شیخ افضل حسین افضل رئیس کلکتہ، عطارد الدولہ محسن، صاحبزادہ احمد شاہ کیوان شاگرد حیدر۔ حافظ مرحباش شاگرد اسخ، منشی نعیم۔ صاحبزادہ محمد اکبر شکوہ شاگرد اسخ، خواجہ شاگرد حیدر۔ صاحبزادہ ابراہیم شاہ رسا، شاگرد حیدر۔ مولوی سید علی حید رحید رطباطبائی نظم لکھنوی مدرس مدرسہ سلطانیہ مٹیا برج۔ منشی رضوی، مالک الدولہ صولت شاگرد منشی ہنر، منشی عبد اللہ صابر، صاحبزادہ فریدون بخت فریدون شاگرد رضوی۔ فرخ شاگرد حیدر۔ صاحبزادہ محمد غلام یٰسین معین۔ منشی برخوردار علی مظلوم شاگرد اسخ منشی نثار حسین نثار شاگرد حیدر،

شاعرات کی بھی ایک فہرست موجود ہے۔ اس میں سب کی سب طوائف ہیں اور اکثر کلکتہ کی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان بیچاریوں پر شاعری کی تہمت لگائی گئی ہے اس لیے اس فہرست کو انقط کرتا ہوں۔

اس گلدستے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ٹالی گنج (کلکتہ) میں خاندان میسوریہ کی سرپرستی میں بھی مشاعرے ہوا کرتے تھے اور وہاں کے صاحبزادے اور ان کے متعلقین سب کے سب مولانا علی حیدر نظم طباطبائی کے شاگرد تھے۔ نظم مرحوم اس عہد میں حیدر تخلص کرتے تھے مگر ان کی شہرت مٹیا برج سے نکل کر کلکتہ میں انہیں استاد بنا رہی تھی اور اہل لکھنؤ کی طرح مولانا نظم مرحوم بنگالی اردو دانوں سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

وزیر مرحوم نے اس پرچے کے لیے رتن پریس نام ایک مطبع بھی کھولا تھا اور غالباً نتیجۂ سخن کے بعد کلکتہ کا سب سے پہلا پنچ جرنل گوہر اصفی انہوں نے نکالا تھا۔ یہ پرچہ ہفتہ وار تھا۔ اور رنگین کاغذ پر چھپتا تھا۔ بہتریں ظریفانہ مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب لکھنؤ سے منشی سجاد حسین کا اودھ پنچ، بانکی پور سے ایپنچ، مراد آباد سے کرمل نکلا کرتے تھے بلکہ ہر صوبے سے پنچ اخبار نکلا کرتے تھے۔ یہ اخبار بھی کئی برس تک جاری رہا اور غالباً وزیر مرحوم کے انتقال کے بعد بند ہو گیا۔

ہاں یہ کہنا بھول گیا کہ اس گلدستے کے شاعروں میں میرے خیال میں سوائے نواب احمد حسین صاحب رئیس پریانوالا کے اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔

داغ کی غزلیں تقریباً ہر گلدستے میں میں نے دیکھی ہیں استاد مرحوم بھی حاضر باش ہیں، کبھی فرصت ملی تو شاعران عظیم آباد کی فہرست بھی۔۔

تکمیل مضمون کے بعد ہی مئی ۱۸۸۲ء کا پرچہ مل گیا۔ اس کے دو صفحے ابتدا کے غائب ہیں، تیسرے صفحے سے مارکوئس آف رپن کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ تصویر بھی ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی انگریزی مطبع میں چھپی ہے اور کاٹ کر خالی جگہ میں جو اس مصرف کے لیے رکھی گئی تھی، چسپاں کردی گئی ہے۔ تصویر نہایت اچھی اور کاغذ بھی اچھا ہے۔ پانچویں صفحے سے ترجمۂ قواعد تار برقی کا آغاز ہوتا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ پہلے بھی شائع ہوچکا ہے، اس پرچے میں بھی یہ مضمون ناتمام ہے۔ اس کے بعد ڈاکخانے کے قواعد ہیں، یہ بھی تتمہ سابق مضمون کا ہے۔ بارہویں صفحے پر نثر کا خاتمہ ہوتا ہے اور اس کے بعد اصل گلدستہ ہے۔ اس پرچے پر جلد ۱ نمبر ۳ درج ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ جنوری نہیں بلکہ فروری میں پہلا پرچہ نکلا تھا۔ مصرع طرح ث پر ختم ہوتا ہے۔

اس پرچے سے کلکتہ اور حوالی کلکتہ کے حسب ذیل نئے ناموں کا علم ہوتا ہے:۔ حافظ انعام اللہ انعام کان پوری و خواجہ حسام الدین حسام و عبد الرزاق شاد تاجر دہلوی، حکیم عبد الصمد صمد کان پوری منتظم گلدستہ، شیخ محمد عارف میوہ فروش دہلوی عزیز جان میمی و تبسم ساقی الذکر خانوادہ منشی بشر، منشی مظفر علی بشر، حامد الدولہ برتر، مولوی صادق علی مائل، امداد الدولہ منظر تلامذۂ جان عالم اختر، میر اصغر علی اصغر، مولوی زین العابدین وقار تلامذۂ گلشن الدولہ بہار، منشی عبد الاحد احد خلف صمد سابق الذکر، شاگرد سالم کان پوری، حافظ محمد امین امین کان پوری تاجر کتب ش مولوی عزم کان پوری، مالک الدولہ صولت، خواجہ محمد عاشق عاشق لکھنوی، آغا مرزا محمد حسین شیرازی علم، منشی پیر بخش کرم ش آبد، محمد امین نکہت متوطن چکوال (جہلم) ش انسخ، شیخ نور محمد ندیم ش حافظ امین، بیگن بیگ بیگن۔ محمد یحییٰ یقین ش نفیس کان پوری۔

غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب داغ کلکتہ آئے تھے، چنانچہ ان کی مشہور غزل "داغ کلکتے سے لاکھوں داغ دل پہ لے چلا" اس پرچے میں موجود ہے۔ اس زمین میں ایک آدھ غزل اور ہے، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ مشاعرے کی زمین ہے۔

اس گلدستے میں شاعرۂ پردہ نشیں کے عنوان سے فضل النسا بیگم صاحبہ متخلص بہ مطلوب مقیم شملہ کی طرحی غزل ہے۔ بازاری عورتوں میں کلکتے کی ساری نامور طوائفیں جلوہ افروز ہیں۔

یہ گلدستہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے تقطیع ۲۰ × ۲۶ ہے۔ مجھے روایت پہنچی تھی کہ وزیر مرحوم سندریہ بٹی میں رہتے تھے، مگر اس پرچے کی اخیر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۵ کوٹھی کولوٹولہ بائی لین میں رہتے تھے اور وہیں ان کا ریپن پریس تھا۔

[بعض نام مکرر ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون کا آخری حصہ ابتدائی حصے کو سامنے رکھ کر نہیں لکھا گیا ہے۔ نتیجۂ سخن کے متعلق ایک سلسلۂ مضامین جناب حسرت موہانی نے اردوئے معلیٰ میں لکھا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس گلدستے کی ابتدا فروری ۱۸۸۲ء سے ہوئی اور جنوری ۱۸۸۳ء کے بعد تک نکلتا رہا۔ جناب حسرت نے یہ نہیں بتایا کہ کب بند ہوا۔ اردوئے معلیٰ، جنوری، فروری و مارچ، اپریل ۱۹۱۲ء۔ معیار]

مولوی سید عبدالغفور شہباز دانا پوری کی غزل ملاحظہ ہو۔ یہ غزل فروری نمبر ۱۸۸۳ء کے پرچے میں چھپی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم شہباز کی طبیعت ابتدا سے غزل گوئی سے نفور تھی۔ بعض اشعار حذف کردیے گئے ہیں :-

ہمیں ہے علم کے شجر کی تلاش　　شجر علم کے ثمر کی تلاش
علم انساں کا دل ہے علم جگر　　تم کو ہو اس دل و جگر کی تلاش
قتل کرنے کو جہل موذی کے　　کیجیے تیغ کی تبر کی تلاش
ہو نہ جس شخص پاس نقدِ عمل　　نہ کرے علم کے ثمر کی تلاش
یاد رکھو رباعیِ وحدت　　ہے یہ دانش کی عمر بھر کی تلاش
قول سے پہلے ہو عمل مطلوب　　آہ سے پہلے ہو اثر کی تلاش
کیجیے سو کام چھوڑ کر دل سے　　بہرِ ترویجِ علم، زر کی تلاش
شام اقبال کو ہے ویرے یاں　　عز و اقبال کے سحر کی تلاش

تا اُڑیں عرشِ مجد تک شہباز
اس لیے ہے یہ بال و پر کی تلاش

خود مالک گلدستہ محمد وزیر وزیر کے دو چار شعر اس زمین میں سنیے :-

شبِ فرقت پھر آنے والی ہے　　شام سے ہوگی پھر سحر کی تلاش
کیوں مری خاک اُڑتی پھرتی ہے　　ہے اسے کس کے بام و در کی تلاش
تم سے کیتائے عصر کو ڈھونڈھا　　تم نے دیکھی مری نظر کی تلاش

غیر طرح میں، نواب سید آسمان قدر اسد علی مرزا ثریا خلف نواب ناظم مرشد آباد۔

جاتا ہوں سر کو پھوڑنے میں کوہسار پر　　وحشت بڑھی ہے آمدِ فصلِ بہار سے

نواب ابراہیم علی خاں والی ٹونک متخلص بہ حافظ۔

نہ پوچھو حال شبِ جدائی جو دل کو رنج و محن ہوا ہے　　تمہارے سر کی قسم ہے صاحب کہ صبح کرنا کٹھن ہوا ہے

نواب والا قدر سید حسین علی مرزا، نواب ناظم بنگالہ۔

آئیں کیونکر ہم سے بدقسمت تری محفل کے پاس　　ڈوبنے والے پہنچ سکتے نہیں ساحل کے پاس
پوچھنے جاتے ہیں غیروں سے پتا دلدار کا　　لے چلی ہے جستجوئے حق ہمیں باطل کے پاس

اپریل ۱۸۸۳ء، خواجہ ولایت علی سرور شاگرد خواجہ آتش۔

نالے سے کچھ غرض ہے نہ فریاد سے غرض　　مجھ کو ہے چپکے چپکے تری یاد سے غرض

مقالات

(۱) ایران جدید کے ادبی اور عمرانی رجحانات از ڈاکٹر ابو الحلم محمد نظام الدین پی ایچ ڈی، صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ۔ مترجمہ جناب عبد المنان صاحب بیدل ایم اے پروفیسر پٹنہ کالج (۲) سکندر اور ضحاک از قاضی عبد الودود (۳) اندر سبھا کے متعلق چند غلط فہمیاں۔ از آر ذ جیلی۔

ایران جدید کے ادبی او رعمرانی رجحانات

از ڈاکٹر ابو الحلم محمد نظام الدین صاحب　　　مترجمہ جناب عبد المنان صاحب بیدل

ایران پر جب مسلمانوں کا تسلط ہوا تو اس ملک میں ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے پہلوی کے مقابلے میں فارسی کہتے ہیں۔ اس زبان نے بے شمار شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کا تماشا دیکھا ہے اور اس کا ادب ہزار سال سے زیادہ کی مدت میں جو تغیرات ہوئے ہیں اُن کا آئینہ دار ہے۔ شاید ہی کوئی اور زبان جو ادبی حیثیت اختیار کر چکی ہے فارسی کا اس خصوصیت میں مقابلہ کر سکے۔

رودکی کا عہد فارسی شاعری کے بچپن کا زمانہ ہے، فردوسی نے اسے رزم سے آشنا کیا، خاقانی اور نظامی کا عہد قصیدہ گوئی اور افسانہ نگاری کا زمانہ تھا۔ سعدی و رومی کی صوفیانہ اور اخلاق آموز شاعری میں تاتاری حملے کے اثر نمایاں ہیں۔ حافظ اور جامی نے تغزل کو اوج کمال پر پہنچایا، قاآنی کے ہاتھ میں فارسی شاعری ایک موسیقی کا ساز بن گئی جس سے دلکش صدائیں نکلتی تھیں لیکن یہی شاعری آج کل اصلاح معاشرت اور احیائے ملت کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔

اس زبان میں نثر کی ابتدا عربی تواریخ اور تفاسیر کے ترجمے سے ہوئی، بلعمی، ناصر خسرو، نظام الملک طوسی، نظامی عروضی سمرقندی اور سعدی نے تاریخ اخلاق اور ادب میں ایسی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ تاتاریوں کے فوجی کارنامے جامع التواریخ، تاریخ جہاں کشائے جوینی، تاریخ وصاف اور تاریخ گزیدہ مصنفہ حمید اللہ مستوفی کے صفحات میں ایسے الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں جو مدتوں زندہ رہیں گے محقق طوسی اور واعظ کاشفی نے اخلاقی رسالے لکھے، ابو الفضل و فیضی کے زمانے میں اعلےٰ درجے کے سیاسی خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنی، آخری دو صدیوں میں تشیع سے متاثر ہوئی، اور اب اسی کے ذریعے سے حب وطن کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔

فارسی ادب کے پانچ دور۔ فارسی ادب کی تاریخ پانچ دور میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پہلا دور (سنہ ۸۲۰ء سے سنہ ۹۹۹ء تک) سامانیوں اور طاہریوں کا دور حکومت اسے دور رودکی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں حنظلۂ بادغیسی اور دقیقی جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ یہ فارسی شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس زمانے میں دوبیتی یا رباعی قصیدے اور مختلف اقسام کی مثنویوں کا رواج ہوا۔
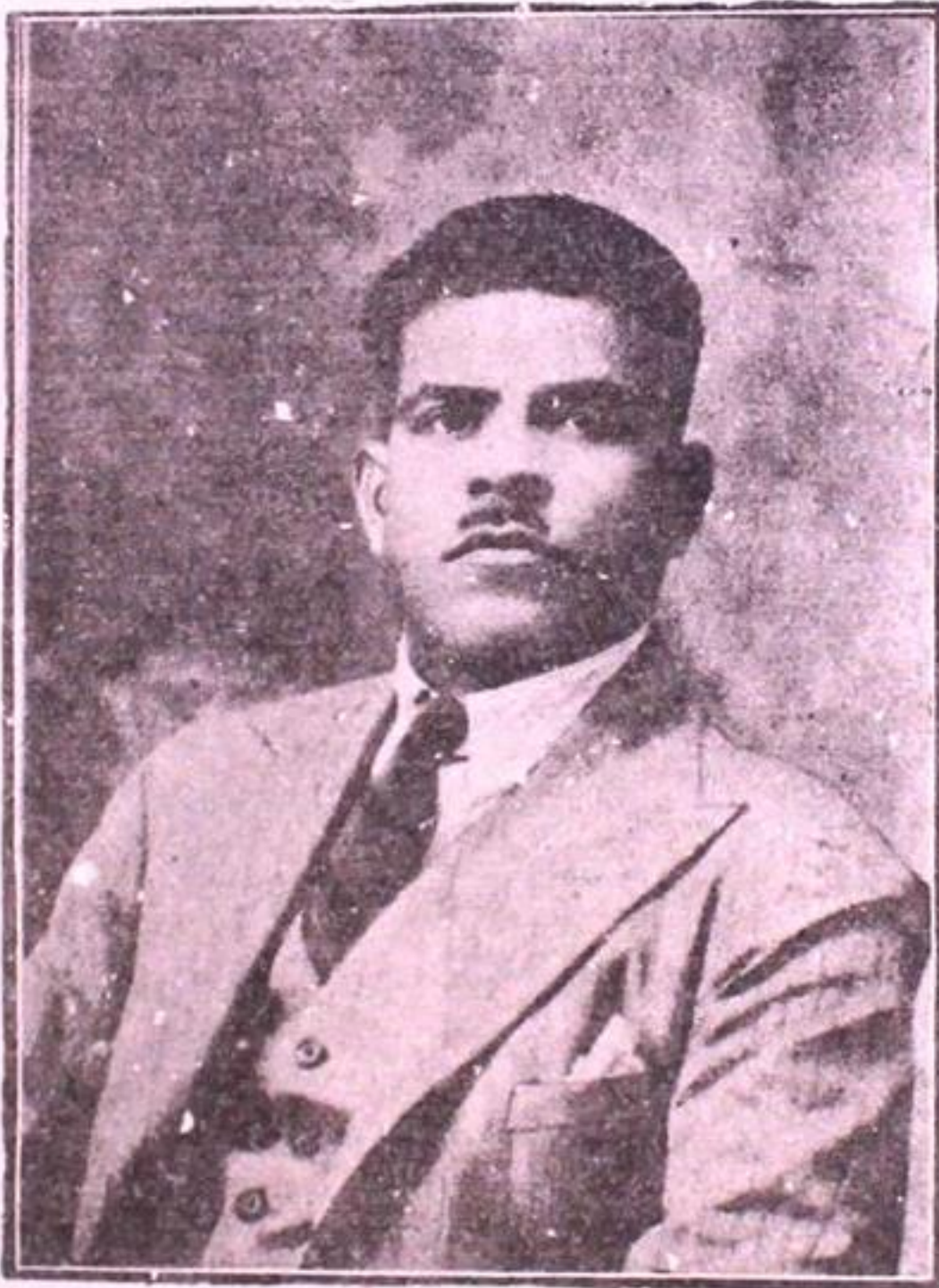
ڈاکٹر ابوالحلم نظام الدین، پی - ایچ - ڈی (کیمبرج)

دوسرا دور (سنہ ۹۰۰ء سے سنہ ۱۲۱۵ء تک) فارسی ادب کا دورِ زریں تھا اور یہ غزنویوں، سلجوقیوں اور خوارزم شاہوں کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں فارسی ادب میں ہر قسم کی نظم اور مختلف طرح کی نثر کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ اس زمانے کے مشہور شعرا عنصری، فردوسی، عمر خیام، ناصر خسرو، سنائی، خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی، عطار، اور سعدی ہیں، بیرونی اور بیہقی سے مورخین، بوعلی سینا سے فلسفی، نظام الملک سے سیاست داں، غزالی سے منطقی، ابوسعید ابوالخیر سے صوفی، اور نظامی عروضی سمرقندی سے ادیب نے ادبیاتِ ایران کو مالامال کر دیا۔

تیسرا دور، (سنہ ۱۲۱۹ء سے سنہ ۱۵۰۰ء تک) مغلوں کے حملۂ ایران سے شروع ہوتا ہے۔ اور تیمور کے زمانے میں ختم ہو جاتا ہے اس دور کو "ایلخانی تیموری" دور کہہ سکتے ہیں اس دور کے مشاہیر ادب، رومی، ناصر الدین طوسی، رشید الدین فضل اللہ، عطا جوینی، وصاف، عراقی، اوحدی، شبستری، ابن یمین، خواجو کرمانی، عبید زاکانی۔ سلمان ساوجی، حافظ شیرازی، میر علی شیر نوائی، جامی اور واعظ کاشفی ہیں۔

مغلوں کے حملے کے بعد ہی فارس کی تمام ذہنی اور ادبی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، لیکن تیموریوں اور ان کے اخلاف کا زمانہ اس زبان کا دورِ تجدد ہے، اس دور کا آخری حصے میں فارسی شاعری کے درخت میں پھر پھل پھول آئے۔ اس زمانے کی بہت ہیں لیکن کچھ زیادہ بلند پایہ نہیں، اور ان میں وہ جدت اور آزاد خیالی بھی نہیں ہے جو مغلوں کے حملے سے پیشتر ادبِ فارسی کی ممتاز خصوصیت تھی۔

چوتھا دور (سنہ ۱۵۰۲ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک) جو ایک طویل دور ہے۔ صفویوں، مغلوں اور قاچاریوں کا دور کہا جا سکتا ہے یہ دور خاندانِ صفویہ کے عروج سے شروع ہوتا ہے۔ اور ناصر الدین شاہ قاچار کے قتل اور حکومتِ مشروطہ کے مطالبے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتا ہے۔ ادبی لحاظ سے یہ دور انحطاط و جمود کا دور تھا۔ صفویوں نے آزادیِ خیال بالکل چھین لی تھی، صرف مذہبی علوم کی ترویج کے در پے تھے اور ان کے زمانے میں سارا زورِ طبیعت مذہبی مناظروں میں صرف ہوتا تھا۔ البتہ مغلوں نے جو ہندوستان کے فرماں روا تھے اس زبان کے وقار کو باقی رکھا اور فارس کے شعرا اور مصنفین کی خاطر خواہ ہمت افزائی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی تہذیب کا ایک نیا مرکز ہندوستان میں قائم ہو گیا اور رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کی طرزِ بیان پیدا ہو گئی جس کا معتد بہ اثر وسط ایشیا کے ادبیات پر پڑا۔

قاچاریوں کی حکومت کی ابتدائی زمانے میں شعرا اور مصنفین قدیم طرز کا تتبع کرتے رہے۔ اور کوئی قابلِ قدر کتاب نہیں لکھی، لیکن انیسویں صدی کے آخر میں جبکہ ایرانیوں کو ان یورپی اقوام سے ملنے کا موقع ملا جو فارس میں اپنا اقتدار اور اثر قائم کرنے کے لیے سرگرمِ عمل تھیں تو فارسی شاعری میں ایک نیا عنصر شامل ہو گیا، اور اس زبان میں نئی طرز کا ادب پیدا ہونے کی راہ کھل گئی۔

اس جدید تحریک کی ابتدا قاآنی سے ہوئی، وہ انگریزی اور فرانسیسی زبان سے واقف تھا اور اس لیے متعدد

کتابیں ان زبانوں سے ترجمہ بھی کی گئیں۔ شیبانی اور یغمائے جندقی نے بھی زبان کی صفائی میں اچھی طرح کوشش کی اصلاح زبان کے لیے ایک تعلیمی ادارہ دار الفنون کے نام سے کھولا گیا۔ جس کا مقصد مغربی علوم کی تعلیم تھی۔ اس ادارے کا پہلا ناظم رضا قلی خان لالہ باشی مصنف مجمع الفصحا، المتخلص بہ ہدایت تھا۔

ادب فارسی کا پانچواں اور آخری دور ۱۹۰۵ء کے انقلاب فارس سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دور "تحریک مشروطہ خواہی" اور شورش ملی کا دور ہے۔ اسی دور میں خاندان پہلوی کو جو اب تک قائم ہے عروج ہوا۔ معاشرتی اقتصادی اور ملی جنگ وجہد اور نئی طرح کی حکومت نے ایک نئے قسم کا ادب اس زبان میں پیدا کر دیا۔ اور ایک جدید تہذیب کی بنا ڈالدی۔ اس دور کے ادبی رجحانات کے تصور کے لیے ایران کے آخری تیس برس کی سیاسی اور تاریخی حالت سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر براؤن کی کتاب "انقلاب ایران" میں انقلاب فارس ۱۹۰۵ء لغایت ۱۹۰۹ء کے دور عبوری کے وحشت خیز واقعات بوضاحت درج ہیں یورپ کے جنگ عظیم کے قبل اور بعد کے چند ضروری واقعات درج کرتا ہوں:۔

قاچاریوں کے عہد میں ایران کا اقتدار و وقار بہت کچھ زائل ہو گیا تھا۔ ایران انگلستان اور روس کے شکنجے میں تھا، اس کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ بلوچستان ہندوستان میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ہرات اور قندھار برطانیہ کے زیر نگیں آچکا تھا، اور آذربائیجان سلطنت روس کا جزو ہو گیا تھا۔ ایران اپنے مقبوضات کی حفاظت سے قاصر تھا۔ بیرونی حکومتوں کو طرح طرح کی رعایتیں اور تجارتی آسانیاں دیدی گئی تھیں۔ ایران، روس اور برطانیہ سے کڑے شرح سود پر قرضے لیتا اور شرمناک اور ذلیل معاہدے کرتا تھا مثلاً ۱۹۰۷ء کا برطانوی روسی عہد نامہ ایران سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں گھرا ہوا تھا، بادشاہ اور وطن پرستوں کی کشمکش روز بروز سخت تر ہوتی جارہی تھی، اگرچہ پرانی حالت ۱۸۹۶ء میں ناصر الدین شاہ قاچار کے قتل کے بعد باقی نہ رہی تھی تاہم رعایا عجب پراگندگی کی حالت میں تھی، آخر کار بادشاہ کی علانیہ مخالفت شروع ہو گئی۔

سیاسی بیداری۔ اس زمانے میں اصلاح حکومت کی تحریک زوروں پر تھی، حاکموں کے ظلم، مذہبی مقتداؤں کے تعصب، رعایا کے افلاس، خود غرض سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں۔ مظفر الدین شاہ کی قساوت و بے مہری اور وزرا کے اقدامات غیر قانونی نے اہل ملک کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ خفیہ انجمنوں کی تشکیل ہوی۔ باوجود سفاکانہ طریقۂ انسداد کے اہل ملک نے جان پر کھیل کر ناصر الدین شاہ کے جانشین محمد علی شاہ کو تشکیل مشروطہ کے لیے مجبور کیا۔ تبریز جو وطن پرستوں کا ماویٰ تھا، سلطنت کے خلاف بغاوت ہوی، سپہدار نے وطن پرستوں کی ایک جماعت کے ساتھ طہران پر دھاوا بول دیا اور غایت جوش میں سردار اسد نے جو سردار انقلاب تھا اپنے ہم قوم بختیاریوں سے ملکر گورنر کو معزول کر کے طہران پر فوج کشی کر دی۔ جب ان دونوں سرداروں نے مل کر

دار السلطنت پر حملہ کر دیا تو بادشاہ نے حکومت مشروطہ کو از سر نو قائم کرنے کی رضامندی تو دے دی، لیکن جب مجلس کی کارروائیوں میں بادشاہ برابر رکاوٹیں پیدا کرتا رہا تو لوگوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے بیٹے احمد شاہ کے لیے تخت شاہی خالی کر دے۔ لیکن اس نے بھی اہل ملک کے ساتھ بے وفائی کی اور ملک کو اپنی حالت پر چھوڑ کر یورپ چلا گیا۔

اگرچہ جنگ کے زمانے میں ایران نے اپنے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا تھا۔ مگر لڑنے والی سلطنتوں نے جو اس کے اطراف میں قائم تھیں اس کی ذرا بھی پروانہ کی اور ایران بھی ساحت جنگ بن گیا۔ انگریزی۔ المانی روسی اور ترکی فوجوں نے ملک میں گھس کر ملک کو تباہ کرنا شروع کیا۔ طہران کی مرکزی سلطنت میں نہ اپنے کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کی قوت تھی اور نہ ملک کے متمردین کو مطیع رکھنے کی صلاحیت تھی۔

فروری سنہ ۱۹۲۱ء میں جنرل رضا خاں نے ایک دستہ فوج کی مدد سے دار السلطنت پر قبضہ کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ایک کبنیٹ قائم کی اور خود وزیر جنگ بنا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں اس نے مشہور پہلوی کبنیٹ قائم کی اور ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں اس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

رضا شاہ قوم کے ناخدا کی حیثیت سے۔ محض ایک زبردست ہستی کی آمد نے ملک کو بربادی سے بچا لیا۔ وہ مملکت جو صرف تیس برس پہلے غیر متمدن غیر منظم، بے سرمایہ اور بے حیثیت اور جو محض چند دنوں کی مہمان سمجھی جاتی تھی، حیرت انگیز طور پر ایک ایسی جدید سلطنت بن گئی جسے بین الاقوامی اہمیت حاصل ہے

اس انقلاب عظیم کا سہرا رضا شاہ پہلوی کے سر ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے ایک سپاہی کی طرح اپنی زندگی شروع کی مگر اپنی ان تھک کوششوں، ہوشیاری، ذہانت، قابلیت، ہمت، اور اصول جنگ کی واقفیت سے آخر کار تاجدار ایران بن گیا۔ اس نے ترک مصطفےٰ کمال اور ترکی سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے ایران کے مرتبے کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے اس کے پانزدہ سالہ دور حکومت میں ایران نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اب ایران آزاد ہے، قرضوں سے اسے نجات مل چکی ہے۔ اغیار کے پنجوں سے چھوٹ چکا ہے اور اپنی قسمت کا آپ مالک ہے، رضا شاہ کی کارروائیوں کا خلاصہ یہ ہے۔ ایران امتیازات اجنبی یعنی کیپی چولیشنس منسوخ ہو چکے ہیں، ایران میں منظم حکومت قائم ہے۔ جمہوری اداروں کی داغ بیل پڑ چکی ہے اور ممالک غیر سے مستقل سیاسی تعلقات قائم ہو گئے ہیں محصولات پر اب غیر اقوام کا کوئی اختیار نہیں رہا، قوانین انصاف کی اصلاح کی گئی ہے۔ فوجی تعلیم ملک بھر میں جبری ہے۔ اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے باقاعدہ فوج موجود ہے جنگی جہازوں اور ہوائی بیڑے کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے۔ ملک میں، قومی زرعی اور پہلوی بینک قائم کیے گئے ہیں، اور اینگلو پرشین آئل کمپنی سے جو نیا معاہدہ ہوا ہے اس سے توقع ہے کہ ایران کی مالی حالت بڑی حد تک ٹھیک ہو جائے، رضا شاہ نے سماج کی حالت درست کر دی ہے۔ قوم تعصب کی آلودگیوں سے پاک کر دیا ہے۔ نظام تعلیم کی تجدید کر دی ہے، نئی اور مضبوط سڑکیں بنوائی ہیں۔ ریلوے تیار کی ہے۔ تار، لاسلکی، ٹیلیفون، اور فیکٹریاں قائم کر دی ہیں،

ملکی صنعتوں کی ہمت افزائی کی ہے ایک پائدار سکہ رائج کیا ہے۔ درحقیقت ایرانِ جدید کا قائم کرنے والا وہی ہے اور یہ اس کی کرامت ہی کرامت ہے۔

ایرانی صنعتوں کی نمائش سنہ ۱۹۳۰ء میں لندن میں پہلی بار ایرانی صنعتوں کی نمائش ہوی، اس نمائش کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس سے بین الاقوامی تعلقات کے پیدا ہونے کی ابتدا ہوتی ہے۔ ورنہ آج تک ایران دنیا سے الگ تھلگ رہنا ہی مستحسن سمجھتا تھا۔ برلنگٹن ہاوس میں جن صنعت کاریوں کی نمائش ہوی اسنے حسن پرست یورپ کی آنکھوں کو خیرہ کردیا۔ اس نمائش سے یورپ اور ایشیا کے صنعتی تعلقات کا بھی پتا چلا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مغرب کی تہذیب پر ممالک سے کہیں زیادہ ایران کا اثر ہے۔ ایشیا کو بھی ایران سے بہت سی چیزیں ملی ہیں۔ ہند کی مینیچر پینٹنگ ایران کی فن کاری کے اثر کی ایک مثال ہے۔ اس نمائش سے اس بات کا بھی پتا چلا کہ ایرانیوں میں غیر ملکی تہذیب کے اخذ کرنے کی بڑی صلاحیت ہے، اور حالت زمانہ اور ماحول کے مطابق ان میں پرانی ترکیبوں کے درست کرلینے کی کافی استعداد ہے۔ ایران کی صنعت کا بیش بہا خزانہ تمام ملک سے جمع کرکے بااصول اور مرتب طریقے سے دنیا کے سامنے پہلی بار پیش کیا گیا۔ نمائش کی کامیابی بادشاہ کی اعانت اور ذوق کی ممنون ہے، شاہ ایران کے اس قابل قدر اقدام کا خیر مقدم تمام اقوام نے کیا، اور تیس سلطنتوں نے اس نمائش میں شرکت کی۔ سَو سے زیادہ عجائب خانوں۔ یونیورسیٹیوں اور کتبخانوں اور صدہا دوسرے لوگوں نے نمائش کی چیزیں بھیجکر اس میں بین الاقوامی مشارکت صنعی کو کامیاب بنایا برٹش میوزیم میں بھی ایران کی صنعتوں کی نمائش ہوی۔ رضا شاہ نے پہلی بار دنیا کو دکھا دیا کہ وہ کتنا اصلاح و ترقی کا دلدادہ ہے۔ کس عمدہ اور مناسب نظم و نسق کے ساتھ کسی کام کو انجام دے سکتا ہے۔ اور، ایران کے وقارِ قدیم کو از سر نو قائم کرنے کا کس درجہ خواہشمند ہے اور ایران کو مشرق کی قوموں کے صف اول میں لانے کے لیے کتنا بے چین تھے۔ لینن گراڈ میں جو ایران کی صنعتوں کی نمائش ہوی۔ اس سے ایران کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں رضا شاہ کی سیاحت یورپ سے شوکت ایران بہت بڑھ گئی سیاحت سے واپسی کے بعد رضا شاہ پہلوی نے سوسائٹی کے اصلاح کی اسکیم تیار کی اور اس اسکیم پر استقلال کے ساتھ عمل درآمد ہو رہا ہے۔

فردوسی کی ہزار سالہ برسی: ۱۹۳۴ء میں فردوسی ایران کے مشہور رزم نگار کی ہزار سالہ برسی بڑے جاہ و جلال، شاہانہ شوکت کے ساتھ منائی گئی۔ کسی دوسری مشرقی قوم نے شاید ہی کسی شاعر کی عظمت کا اعتراف اس انداز سے کیا ہو۔ دنیا کے ہر حصے سے محبان ایران اور مستشرقین اس موقع پر اپنے اپنے ملک کی طرف سے خراج تحسین ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ایرانیوں نے جس جوش اور سرگرمی کا اس موقع پر اظہار کیا اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اب بیدار ہو چلے ہیں، اور اپنی تہذیب کو مرنے نہیں دینا چاہتے۔

۱۲ اکتوبر کا دن طوس کی تاریخ کا سب سے شاندار دن ہے۔ شہنشاہ ایران نے مختلف ممالک عالم کے

نمایندوں کے سامنے فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے متعلق کارروائیوں کا افتتاح کیا۔ ہزار برس قبل شاہنامہ کو قدرشناس مربی نہ مل سکا۔ لیکن ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو فردوسی کی عظمت شاعرانہ کے آگے مشرق و مغرب دونوں سرِ تسلیم خم کیے تھے۔

پرشیا کی جگہ ایران: ۱۹۳۵ء میں یہ اعلان کیا گیا کہ ملک کا نام ایران ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے۔ پرشیا ایک بیرونی لفظ ہے جس کا اطلاق ملک پر نہیں ہونا چاہیے۔

لفظ ایران کا ماخذ پہلوی زبان ہے اور اس کا سلسلہ اوستا کے لفظ آریانا سے ملتا ہے جو لفظ آریہ کی صورت صنعتی ہے۔ لفظ پرشیا مغربی الاصل ہے۔ غالباً قرون وسطیٰ میں ایران اس نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ لفظ پرسائی جو یونانیوں اور رومیوں کی زبان پر المکینیڈ کے لیے تھا۔ یہ غالباً پرسس سے ماخوذ ہے جو ایران کے جنوبی مغربی حصے (جو آج کل فارس کہلاتا ہے) کا نام ہے۔ اس کا نام غالباً ایک قبیلے 'پارسوا' کے نام پر رکھا گیا تھا جس کا ذکر اسیریا کے کتبات میں ہے۔ لیکن قدیم زمانے سے لفظ فارسی خاص قسم کی بولیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جیسا کہ فہرست میں لکھا ہوا ہے، یہ زبان نویں صدی سے ایران کی ادبی زبان بن گئی، اور اسی کو ہم فارسی کہتے ہیں۔

ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے بعد لفظ ایران بہت عام ہو گیا، لیکن انیسویں صدی سے قبل ایران کے باشندے اپنے کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران نہیں کہتے تھے۔

جدید اجتماعی اصلاح: ایران میں سوسائٹی کی اصلاح کے لیے اور بھی تحریکیں ہو رہی ہیں اور ان پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا ہے۔ مثلاً یورپی لباس کا جبریہ استعمال، کلاہِ پہلوی کی جگہ پر یورپی فلٹ ہیٹ کا پہننا، اور پردہ کا اُٹھا دیا جانا، جس سے عورتوں کو آزاد کیے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔

آج کل ایران اس دُھن میں ہے کہ ایرانیوں کو جدید یورپی اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے اور دوسرے افادی اصول کی بنا پر وہ کوشش کر رہا ہے کہ جہاں تک حدِ امکان میں ہو مغربی بن جائے یہ تغیرات صرف فروع سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اصل تک جاتے ہیں۔ آگے چل کر ان کا ملک پر کیا اثر ہو گا اس کا اس وقت فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ملک کا قدامت پسند طبقہ ان جدت طرازیوں کا سخت مخالف ہے، لیکن رضا شاہ پہلوی اپنی "مغرب سازی" کی کارروائی جاری رکھی ہے، ایک اور اہم کام جو اس سلسلہ میں ہوا ہے وہ مذہب و سیاست کی تفریق و تقسیم ہے، نئی روشنی کے پروانوں نے دیکھ لیا کہ قوم کا صدیوں تک اپنی ناکامیوں پر ماتم کرنا فعل لاحاصل تھا، اور صرف لاحاصل ہی نہیں بلکہ مضرت رساں بھی تھا اس لیے کہ اس ماتم گساری اور سینہ زنی نے قوم کی ذہنیت کو پست کر دیا ہے؛

ان کے خیال میں مادی ترقی کی کوشش فرض ہے اگرچہ اس کوشش میں دینی اور روحانی مفاد کو قربان کردینا پڑے اس لیے کہ مذہب کے غلط تصور نے ایران میں سیکڑوں فتنے برپا کر رکھے تھے۔

یوم ملت: قدیم ساسانی تہوار کو منانے کی رسم بہت دنوں سے ایران میں رائج تھی۔ لیکن ۳ر اسفندار ۱۲۹۹ھ شمسی مطابق ۲۲ر فروری ۱۹۲۱ء جو خاندان پہلوی کے آغاز کی تاریخ ہے۔ "عید ملی" کی تاریخ قرار دی گئی۔ حال ہی میں یہ "عید ملی" بڑی دھوم دھام اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ ۲۳ر فروری ۱۹۳۶ء کو طہران میں منائی گئی۔ یہ عید کرنل رضا خاں کے طہران پر حملہ کرنے، ان کے کمانڈر ان چیف بنائے جانے اس کے بعد وزیر جنگ وزیر اعظم بننے اور بالآخر ۱۶ر دسمبر ۱۹۲۵ء سریر آرائے سلطنت ایران ہونے کے یادگار ہے۔

نظام تعلیم کی اصلاح: اب تک زبان و ادب اور طریقۂ تعلیم کی درستی میں انفرادی کوششیں ہوتی رہی تھیں لیکن موجودہ دور میں حکومت نے نظام تعلیم کو اساس استوار پر قائم کرنے کی خاص کوشش کی ہے۔ پرانے مدارس توڑ دیے گئے ہیں اور طرز جدید پر ابتدائی اور ثانوی مدارس قائم کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں ایک یونیورسٹی بھی سائنس اور آرٹ کے ہر شعبے کی تعلیم کے لیے قائم کی گئی ہے۔ سپہ سالار کا پرانا مدرسہ جو قدیم طرز کا مذہبی اور دینی مدرسہ تھا اب قانون، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم کا کالج بن گیا ہے۔ نصاب تعلیم نئے اصول پر مرتب ہوا ہے۔ ہر سال طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد اعلیٰ تعلیم پانے کے لیے سلطنت کی طرف سے یورپ بھیجی جاتی ہے۔ قلمی کتب کی حفاظت اور نئے اصول پر کتبخانوں کی تنظیم شروع کی گئی ہے۔ مذہبی اوقاف کا انتظام مفید اصول پر کیا جا رہا ہے۔ مشہد مقدس کے اوقاف کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔

فرہنگستان اور اصلاح زبان کا مسئلہ: سلطنت عالیہ ایران کے جدید ترین مساعی جمیلہ میں اس ادبی انجمن کا قیام بھی ہے جو "فرہنگستان ایران" کے نام سے مشہور ہے اور جس کا مقصد زبان اور ادبیات ایران کی ترقی و توسیع ہے۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد میں زبان فارسی کی روز افزوں ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترکیب سوچنا ہے اور اس ڈھنگ سے زبان کی اصلاح کرنا ہے کہ اس کی بین الاقوامی اہمیت باقی رہے۔

سرکاری اعلان کے مطابق اس انجمن کا مقصد ایک لغت کا مرتب کرنا موجودہ فارسی سے بعض محاورات اور الفاظ کا نکالنا، ان میں اضافہ کرنا۔ اصطلاحات علمی کا وضع کرنا۔ بیرونی عناصر سے ملک کی زبان کو پاک کرنا، آیندہ کے لیے فارسی کے شعرا اور ادیبوں کی رہبری کرنا اور رسم خط کی اصلاح کرنا ہے۔

یہ ہدایتیں تحریر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن دقت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب مفکرین، ادبا، اور سیاست داں اشتراک عمل کی کوئی ٹھوس بنیاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مصنف تاریخ "تنقید جدید" مسٹر جورج سینٹسبری کا قول جدید فارسی ادب پر بالکل منطبق ہوتا ہے: "ہر قدیم بغیر جدید کے ترقی کا دشمن ہے اور جدید بغیر قدیم کے سخت

نا قابل اصلاح حماقت ہے۔" مغربی تہذیب کو تمام تر اختیار کرنا، یورپ کی ہر بات کو مستحسن سمجھنا اور ان کی معاشرت کو اندھوں کی طرح قبول کرنا احساس ملی کے فقدان کے نمایاں آثار ہیں۔ جدید فارسی ادب میں تین متضاد رجحانات نمایاں ہیں۔

بعض لوگوں کا مستقل خیال ہے کہ اسلامی روایات سے علٰحدگی نہ کی جائے مگر ساتھ ہی ساتھ ان کا میلان خالص فارسی ادب و تمدن کی ترقی اور تاریخ ایران کی اہمیت کو واضح کرنے کی طرف بھی ہے۔ بعض خیال پرست لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہو سکے تو فارسی زبان کو عربی الفاظ سے پاک کر کے ساسانیوں کے زمانے کی فارسی کو' جسے وہ اصلی فارسی سمجھتے ہیں' رواج دیا جائے۔

ایک معتدبہ تعداد فارسی اور عربی کے موجودہ تعلق اور اختلاط الفاظ کو روا رکھتی ہے۔ اور یورپ کی بہ نسبت قاہرہ سے الفاظ کے لینے کو زیادہ پسند کرتی ہے، ملکی مصنفین اور عربی خط تحریر کی طرف دار ہے' اس خواہش کا وہ بااثر اور باعمل طبقہ مصنفین مخالف ہے۔ جو اپنے اہل وطن کو تقلید یورپ کا سبق پڑھاتا ہے۔ اور لاطینی رسم خط کو اختیار کرنے کا حامی ہے۔

جب سے ترکوں نے لاطینی خط اختیار کر لیا ہے اہل فارس بھی اس مُعاملے پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے ہیں مگر قبل اس کے کہ تبدیل خط عمل میں آئے امور ذیل کو ذہن نشیں کر لینا چاہیے۔

رسم الخط کی حالت دونوں ملکوں میں بالکل جداگانہ ہے۔ "عربی خط" ترکی زبان کے لیے نامناسب تھا۔ یہ فارسی زبان کے لیے بالکل نہیں تو بڑی حد تک مناسب ہے۔ اس لیے کہ عربی زبان کے الفاظ فارسی کے اجزائے صحیح بن گئے ہیں۔

فارسی کی ادبی زبان میں بہ نسبت بکلی اور بازاری زبان کے عربی کی اہمیت اور ضرورت کہیں زیادہ ہے۔ فارسی کا خزانہ ایسا قیمتی خزانہ ہے' جس کی نظیر کسی دوسری مشرقی قوم کے پاس نہیں' جدید حکمیات کے سوا کوئی ایسا علم و فن نہیں جس کا بہترین نمونہ فارسی زبان میں دستیاب نہ ہو سکتا ہو۔ بہتر سے بہتر بلند پایہ اخلاقی فلسفیانہ تخیلی، اور مذہبی کتابیں فارسی میں لکھی گئیں ہیں۔

سیاسی شورشوں اور ہنگاموں سے فاتحانہ نجات کے بعد ایران کو بڑے بڑے سماجی، اقتصادی، اور تعلیمی مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے مسئلہ یہ ہے کہ فارس مغرب کی کورانہ تقلید کرے یا "حیات جدید" کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مشرقی قوم کی حیثیت کو قائم رکھے' اس مسئلے کا حل آسان نہیں۔ ایران اب تک ناپائدار اور بے ثبات حالت میں ہے۔ ایران کے سامنے ترکی کی مثال ہے، جو فی الحال ازمنۂ گزشتہ کو بھول کر اندھوں کی طرح مادی مفاد کو پیش نظر رکھ کر یورپ کی نقالی کر رہا ہے۔ لیکن ترکی اور فارس کی جغرافیائی اور ذہنی اور ملی حالت بالکل مختلف ہے۔

ایران جدید میں ہر آدمی کو مشرق و مغرب میں ایک جنگ نظر آئے گی، مدعا یہ ہے کہ بالکل مادی مفاد کے اصول کے ماتحت اور یورپی معاشرت کی طرز پر ترقی کی جائے لیکن کلچر کے لحاظ سے یہ بھی خواہش ہے کہ ساسانیوں سے قبل کی روایات کی طرف پلٹ چلنا چاہیے، موجودہ حکومت کی اُن کوششوں کے طریقوں کو جو ایران کی معاشرت کی تبدیل کے لیے کر رہی ہے، کسی فلسفیانہ اصول یا قاعدے کی بنا پر سراہنا ناممکن ہے۔ ایران ہمیشہ سے ایک علم دوست ملک ہے، وہ اپنے قریب اور بعید کے ازمنہ گزشتہ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ فارس کا منتہائے نظر ہمیشہ غیر مادی اور مذہبی رہا ہے اور یہ نظریہ سوسائٹی کے ہر طبقے میں موجود ہے۔ اسلام نے ایران میں ایک روح پھونک دی تھی جس نے ساسانیوں کے ہر جزو بدن کو نئی زندگی بخش دی تھی لیکن اگر اب وہ فتح اسلام کے قبل کی روایات کی طرف پلٹ جانا چاہتا ہے تو اس کی حالت اس بہتر نہ ہوگی جیسی ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدجرد ثالث کے زمانے میں تھی۔ لیکن اسی طرح مصر کی مثال بھی مشرقی اقوام کے سامنے ہے جس نے باوجود مغربی اقوام سے براہ راست تعلق کے اپنی زبان کی امتیازی خصوصیات کو قائم رکھا اور زبان میں ایسی اصلاحیں نہیں کیں جن سے اس کا اصلی رنگ بدل جائے۔

جب ایرانیوں کو ایران کی عظمت کے خواب دکھائی دے رہے ہیں، جب وہ ساسانیوں کی روایات پر فخر کرتے ہیں۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کے معاد سے کیوں کر علیحدگی کا اظہار کر سکتے ہیں. جس کی تہذیب اُن کی روح میں سرائت کر چکی ہے اور اسلام کے برکات کو کیوں کر بھول سکتے ہیں جو ان دنوں سب سے بڑی متحد کرنے والی طاقت ہے۔ زمانۂ ماضی میں ایران نے اسلامی اسپرٹ کو ہر شعبۂ حیات میں ممتاز جگہ دے رکھی تھی اور اب بھی جدید قوتوں کے دباؤ کے باوجود ایران اپنی برتری اور بزرگی ثابت کر سکتا ہے اور اپنے مذہب، اپنی زبان اور اپنی قومیت کو قائم رکھ سکتا ہے۔

سکندر اور ضاحک

از ق، ع، د
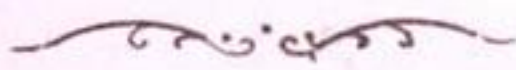
کلیات سودا کے بعض نسخوں میں ایک مخمس ہے جو میر ضاحک کی ہجو میں ہے، اس کی شانِ نزول آزاد یوں بیان کرتے ہیں۔ "سودا کے دیوان میں میر ضاحک مرحوم کی یہ ہجو جب میں دیکھتا تھا "یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر" تو حیران ہوتا تھا کہ سکندر کا یہاں کیا کام؟ میر مہدی حسن فراغ کو خدا مغفرت کرے!" انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حسب معمول مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں پائیں باغ میں تخت بچھے تھے، صاحب عالم خود مسند پر بیٹھے تھے۔ شرفا و شعرا کا مجمع تھا۔ مرزا رفیع اور میاں سکندر مرثیہ گو بھی موجود تھے کہ میر ضاحک تشریف لائے، ان کی پرانی وضع اور لباس پر ... صاحب عالم مسکرائے۔ میر صاحب آکر بیٹھے، مزاج پرسی ہوئی، حقہ سامنے آیا، اتفاقاً صاحب عالم نے مرزا رفیع سے کہا کہ کچھ ارشاد فرمایئے ... سودا نے کہا کہ میں نے تو ان دنوں کچھ کہا نہیں، میاں سکندر کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں نے ایک مخمس کہا ہے، سودا نے پہلا ہی بند پڑھا تھا کہ میر ضاحک مرحوم اٹھ کر میاں سکندر سے دست و گریباں ہو گئے۔ سکندر بچارے حیران کہ نہ واسطہ نہ سبب یہ کیا آفت آگئی، سب اٹھ کھڑے ہوئے، دونوں صاحبوں کو الگ کیا اور سودا کو دیکھیے تو کنارے کھڑے مسکرا رہے ہیں"

سخن اور اردو کے مصنف نصیر حسین خان خیال مرحوم اس روایت کو از سر تا پا لغو سمجھتے ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:-

"یہ فراغ بھی ... ایک عجب ستم ظریف ہیں، مگر آزاد پر عجب ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں بھی دلی کے شرفا کو دیکھا اور ان کی تمیز داریوں کو نگاہ رکھا ہوگا، اس پر وہ ایک ایسا قصہ بیان کر گئے! سکندر کو میں نہیں جانتا، مگر ضاحک کو پہچانتا اور ان کے خاندان سے واقف، اور ان کے گھر کی شرافتوں سے آشنا ہوں۔ اس لیے میں کہوں گا کہ یہ حکایت از سر تا پا لغو ہے۔ اول تو میاں سکندر کا لکھنؤ جانا ہی ثابت نہیں، پھر یہ کہ ضاحک کے سے بزرگ کسی صحبت میں شریفوں سے یوں ہاتھا پائی کر بیٹھیں! اس پر مزید یہ کہ یہ واردات مرزا سلیمان شکوہ کے سے مہذب شہزادے کی صحبت میں ہوتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آزاد کے وقت میں دلی کے امرا کی صحبتوں کا کیا قرینہ ہو گیا تھا اور ہمارے پروفیسر صاحب نے اپنے زمانے میں کیا دیکھا۔ مگر جس وقت کا قصہ انہوں نے چھیڑا ہے اس زمانے کا ہمارا کوئی امیر زادہ اتنا بے قرینہ نہ تھا کہ اس کی صحبت میں دو شریف یوں گتھم گتھا ہو جائیں، ہمارے آزاد اپنی قصہ گوئی میں اکثر بہت بڑھ جاتے ہیں۔" ص ۱۲۱ و ۱۲۲

اسی کتاب میں ذرا آگے بڑھ کر صاف صاف یہ الزام لگاتے ہیں کہ آزاد نے یہ روایت گڑھ لی ہے۔ "آزاد مرحوم اپنے مورخ ہونے کے مدعی نہیں، اس لیے تاریخی غلطیاں کر جائیں تو قابل معافی ہیں، مگر تذکرے کی غلطیاں اور اس طرح کی داستان سرائیاں لائق معافی نہیں، جہاں سودا اور ضاحک کا ذکر یوں ڈھٹائی سے بیان کر دیا گیا ہو وہاں اور قصوں

کہانیوں کے ساتھ مرزا سلیمان شکوہ کے یہاں کی ایک صحبت اور ضاحک و سکندر کی اس روایت کا گڑھ دیا گیا بڑی بات ہے؟"

خیال مرحوم کا استدلال زیادہ تر قیاسی ہے، ان کے نزدیک میر ضاحک سے شریف کا کسی دوسرے شریف آدمی سے دست و گریباں ہو جانا، اور وہ بھی سلیمان شکوہ سے مہذب شہزادے کی صحبت میں حد درجہ خلاف قیاس ہے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ میر ضاحک کی شرافت جب اس بات سے مانع نہ ہوئی کہ خود دوسروں کی ماں بہنوں کو گالیاں دیں اور اپنی ماں بہنوں کو گالیاں سنوائیں، تو ہاتھاپائی کے لیے تیار ہو جانا کون سی بڑی بات ہے۔ سلیمان شکوہ کی صحبت کے رکن رکین، انشا، رنگین، جرأت تھے، قتیل اور صاحبقران کی بھی جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے ان کے یہاں رسائی تھی، یہ لوگ ان کے یہاں ملک کے سیاسی اور معاشی مسائل پر بحث کرنے کے لیے نہیں جاتے تھے، بلکہ ان کی اصلی غرض گالی گلوج ہنسی مذاق سے شہزادے کا دل خوش کرنا تھا۔ ایسی صحبت میں اگر اتفاقی طور پر لوگ زبان سے ہاتھ پر اتر آئیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ایسی باتیں اچانک ہو جاتی ہیں، ان کی اطلاع پہلے سے تو ہوتی نہیں کہ پیش بندی کی جا سکے

خیال مرحوم کی یہ دلیل کہ سکندر کا لکھنؤ جانا ثابت نہیں، زیادہ توجہ کی مستحق ہے، اور اگر واقعی یہ ثابت ہو جائے کہ سلیمان شکوہ کے زمانے میں سکندر کا قیام لکھنؤ میں نہیں رہا، تو پھر آزاد کی روایت کو مصنوعی سمجھنے میں تامل نہ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا تذکرہ جس میں سکندر کا حال ملتا ہے۔ تذکرۂ میر حسن ہے۔ میر حسن ان کی مرثیہ گوئی، ہندوستان کی متعدد زبانوں سے ان کی واقفیت، مہارت فن عرق کشی، اور ان کی ایک نظم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ص ۱۲۲ =

"اگرچہ علم ندارد لیکن بر کلام او جائے انگشت نیست. چوں باہمہ مردم خوش طبعی دارد و شراب می خورد بعد نظر بعضے اہل کمال می نماید۔ غرض مرد زندہ دلے ست. گاہ گاہ بطرز قدیم شعری گوید۔ طبعش مائل ایہام بسیار است، سلامت باشد۔"

میر حسن نے اس کی تصریح نہیں کی کہ ان سے ذاتی ملاقات تھی یا نہیں، اور نہ یہ لکھا ہے کہ ۱۱۸۸ - ۱۱۹۲ھ (زمانۂ ترتیب تذکرہ) میں سکندر کا قیام کس جگہ تھا، تاہم ان کے الفاظ سے یہ ضرور مترشح ہوتا ہے کہ جو کچھ رہے ہیں ذاتی علم سے کہہ رہے ہیں۔ میر حسن سے اگر دہلی کی ملاقات ہوتی تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے۔ چونکہ ترتیب تذکرہ کے وقت میر حسن اور سکندر کا قیام ایک ہی شہر میں تھا، امیر حسن نے تصریح کو غیر ضروری سمجھا۔ ممکن ہے کہ بعض اصحاب اس استدلال کو قبول نہ کریں، لیکن اتنا تو ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ میر حسن نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا جو سکندر کے قیام اودھ کے منافی ہو۔ یہی حال مصحفی کا ہے جو سکندر کے متعلق لکھتے ہیں:-

"... شخص دائم الخمر و خوش طبع و ظریف، مزاج و بدمعاش، وطنش بطرف پنجاب است ... اکنوں ہم گاہ گاہ فکر شعر بطور قدیم و جدید می کند۔"

مصحفی کا تذکرۂ ہندی ۱۲۰۹ھ میں مکمل ہوا ہے۔ مصحفی نے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، لکھنؤ میں انہیں دیکھا، دہلی میں ان سے ملے ہوتے تو تصریح ضرور کرتے۔ میر حسن اور مصحفی کے اقوال ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ یہ تذکرے سکندر کے زمانۂ حیات میں لکھے گئے ہیں، ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ان تذکروں میں سکندر کے لکھنؤ میں قیام کا قطعی ثبوت ملتا ہے، ہم صرف یہ دکھانا چاہتے

ہیں کہ ان میں کوئی بات ایسی نہیں ملتی جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ سکندر کبھی لکھنؤ نہیں گئے۔ اس دعوے کے قطعی ثبوت کے لیے کہ سکندر لکھنؤ گئے تھے، ہم شاہ کمال مصنف مجمع الانتخاب کے ممنون ہیں۔ یہ تذکرہ شاہ کمال نے حیدرآباد میں سکندر کی موت کے بعد مکمل کیا ہے، اس میں انہوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ لکھنؤ میں سکندر سے ملاقات ہوئی۔ افسوس یہ ہے کہ ہم اس تذکرے کی عبارت اس وقت نقل نہیں کرسکتے، کیونکہ اس کا قلمی نسخہ جو ہماری نظر سے گزرا ہے وہ لندن میں ہے اور ہندوستان میں جو نسخہ ہے اس سے بھی فوری استفادہ ممکن نہیں، دتاسی نے اپنی تاریخ ادبیات کی دوسری یا تیسری جلد میں شاہ کمال کے حوالے سے سکندر کے لکھنؤ جانے کا ذکر کیا ہے، دتاسی کے حوالے کبھی کبھی غلط بھی ہوتے ہیں، لیکن سکندر کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی مجمع الانتخاب سے ماخوذ ہے۔

سطور بالا کے مطالعے سے ہمیں امید ہے کہ ناظرین بھی ہماری طرح اس نتیجے پر پہنچے ہونگے کہ خیال مرحوم کی دلیلیں آزاد کی روایت کو مسترد کرنے کے لیے کافی نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر ان دلیلوں سے یہ روایت غلط ثابت نہ ہوسکی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں، ہم اس روایت کی صحت یا عدم صحت سے بحث کرنے سے قبل وہ مخمس نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جس کی شان نزول آزاد نے بیان کی ہے:-

یارب تو مری سُن لے یہ کہتا ہے سکندر	(۱)	ضاحک ۔۔۔۔ کسی بن میں قلندر
گھر اس کے تولد ہو اگر بچۂ بندر		گلیوں میں نچاتا پھرے وہ تکیے کے اندر

رذلی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

گھر والی کو اس کی یہی اب فکر ہے دن رات	(۲)	بچہ کوئی بندر کا جو لگ جائے مرے ہات
سکھلا کے اسے ناچ کی بندر کے دو اک بات		دوں بھڑوے نکھٹو کو جو اس کی بکے اوقات
اک ہانڈی پرانی سی کا گھیرا میں منڈھا دوں	(۳)	بکرا تو کہاں لینڈی سا کتا ہی منگا دوں
جو اس کے نچانے کی طرح ہے سو جتا دوں		پھر کیا کروں اتنا بھی جو ساماں نہ بنا دوں
گر ہو جو موا لوگوں کی ناحق مجھے پنوائے	(۴)	اور اپنی موی جینی کی گالی ہے نہ شرمائے
کوئی دوست اگر اس کا ہو اس بھڑوے کو سمجھائے		اس سے تو بھلا دو گھڑی بندر ہی نچا لائے
گر چرخہ دو پونی جو میں پیدا کروں جونی	(۵)	کھا جائے اسے بھوک رکھے پھل بٹے دونی
جم جم رہے آباد یہ بستی نہ ہو سونی		بندر کے نچانے میں بھلا کیا ہے زبونی
بندر تو ہے کیا مرد ہو تو ریچھ لڑائے	(۶)	پیسا ہو اگر ملتا تو دو پیسے یہ پائے
پر میری نصیحت مرا خاطر میں نہ لائے		میں چاہتی ہوں اس نٹے سے بھلا کچھ تو بنی کے
مر جائے موا یہ تو میں دوں بی بی کی پڑیاں	(۷)	دے روٹیاں روکھی مجھے مانگے ہے چپڑیاں

لے لے کر ٹکے پیسے کو سب شہر کی گڑیاں　　　سی سی میں اسے دوں جو یہ بیچا کرے گڑیاں

یوں بھی نہ ہوا اس سے تو میں تنگ آ اور بتا دوں　(۸)　دو چیتھڑے ہی رنگ کر حلوا خاتوں بنا دوں
مگر ٹے کے لیے گھنڈری کی ایک جھولی سِلا دوں　　　میں کل کی بی بی ہوں اسے کچھ تو سکھا دوں

چھوڑا میں اسے جورو تو اب اس کی نہ ہو نگی　(۹)　دوزخ کے لیے اس کے پرا تنا تو کرونگی
رنگ چھاپ اسے دو حلوا خاتوں میں دونگی　　　کہتا پھرے بھڑوا کہ جنبیا لال لونگی

کہتا ہوں میں اس سے جو اسے شرم ہو میری　(۱۰)　پھر ہجو نہ کرتا پھرے بھڑوا مری تیری
ان باتوں سے ہونے کی نہیں پیٹ کو سیری　　　لے کر حلوا خاتوں یہ کرے شہر میں پھیری

کرلے حلوا خاتوں کو یہ کلیوں میں ہانڈی　(۱۱)　دس بیس جڑی بوٹیوں سے کرکے یہ ٹھانڈی
چادر کو بچھا چوک میں اور باندھ کے سانڈی　　　بیٹھا انہیں دیکھوں جبنوں کی ست ہو . .

اک اور علاج اب نظر آیا مجھے اس کا　(۱۲)　منڈواتی ہوں ڈاڑھی موے کی نائی کو بلوا
نتھ ناک میں ڈال اور پہنا ساری و لہنگا　　　بکواؤں گی اس بھڑوے سے کوٹے ہی پکڑوا

یوں بھی نہ ہو تو لے کے اک ادھی کی چادر　(۱۳)　اوندھا ہو رہے زیر فلک . . . کو رنگ کر
جھٹپا جو کرے چیل اسے جھٹ سے پکڑ کر　　　جا چوک میں بیچا کرے دو چار ٹکے پر

پایا یہ گدھا میں نے تو گانے میں نہ پورا　(۱۴)　گاتا جو یہ سُر سے تو لے دیتی طنبورہ
جس کام میں دیکھا تو یہ چھوڑ دے ہے ادھورا　　　آخر میں بناؤں گی اسے توپ زنبورہ

ان باتوں میں سے اس کو اگر کچھ نہ بن آئے　(۱۵)　اک مرثیہ کہہ کر شمر کا یہ طرح بنائے
اس طرح کو پھر مولوی ساجد کو سکھائے　　　بازو کر اسے جلد گیتھر کو یہ جائے

گر ہجو کی لوگوں کی نہ کھائیگا یہ سوگند　(۱۶)　تو ماں ہی پھر میں اس کی ہوں میرا ہی یہ فرزند
اب مجھ کو رکھا چاہے تو منہ اپنا کرے بند　　　ان کاموں سے جو کام کرے اس کو ہوں خرسند

آخر کہا اس نے مجھے اس پاس نہ رہنا　(۱۷)　پھر بات نصیحت کی مجھے اس سے نہ کہنا
ان کاموں سے کب اس کے نصیبوں میں ہے لکھا　　　لے دوں گی میں دو چھوکریاں بیچ کے گہنا

گر میں نہ کروں میں بھلا کیا کروں لوگو　(۱۸)　بھڑوائی ہے جو بھڑوے کی قسمت میں لکھی ہو
جو چیز جہیز دے ہے مری مجھ سے کوئی لو　　　گروی اسے رکھو لے دو چھوکریاں لے دو

خاموش ہو سودا نہ زباں اپنی بہت کھول　(۱۹)　جھگڑے میں خصم جورو کے آگے تو نہ اب بول
کچھ سیم شلو ہی نہ گائیں گی بجا ڈھول　　　ڈنکا ہے دماسے کا کہ یہ مصرع ہے انمول
روٹی تو کسی طرح کما کھائے مچھندر

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ فراغ کس قسم کے راوی ہیں، ان کی سیرت کے متعلق اب کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ نہ ان کی کوئی تصنیف موجود ہے اور نہ ان کے معاصرین نے کچھ اس بارے میں لکھا ہے۔ آزاد کے بیان سے ان کے زمانۂ حیات کی البتہ ایک حد تک یقین کی جا سکتی ہے، آزاد لکھتے ہیں "کہ یہ بحر کے قدیمی دوست اور ہم مشق تھے"، بحر ناسخ کے شاگرد تھے، اور ان کی پیدائش ہرگز ۱۲۱۵ھ سے قبل کی نہیں تھی، اگر فراغ بحر سے عمر میں بڑے بھی ہوں تو ۱۲۰۰ھ سے قبل پیدا نہیں ہوئے ہوں گے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ سودا اور ضاحک کے زمانے کی باتیں یہ آنکھوں دیکھی بیان نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ سودا کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہو چکا تھا اور ضاحک بھی ۱۲۰۰ھ سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے، مصنف مغل اور اردو کی رائے میں سلیمان شکوہ سودا و ضاحک کی وفات سے قبل لکھنؤ گئے تھے، لیکن کل مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ غلام قادر کے واقعہ کے بعد ۱۲۰۵ھ میں لکھنؤ پہنچے تھے، اور ۱۲۰۵ھ میں سودا اور ضاحک کا سلیمان شکوہ کی صحبت میں اکٹھا ہونا قطعی ناممکن ہے، سلیمان شکوہ کا ۱۲۰۵ھ سے قبل بھی لکھنؤ آنا کسی تاریخ سے ثابت نہیں، حملۂ درانی سے پہلے جب سودا اور ضاحک دونوں دہلی میں تھے، سلیمان شکوہ نے اس دنیا میں قدم بھی نہ رکھا تھا، اس لیے مخمس کے متعلق جو روایت آزاد نے بیان کی ہے وہ بتمامہ صحیح نہیں ہو سکتی، اور سلیمان شکوہ کا اس مخمس سے کسی قسم کا تعلق نہیں، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابھی اس روایت کا صرف ایک جز غلط ثابت ہوا ہے، اس کا ابھی تک امکان باقی ہے کہ سودا نے یہ مخمس سکندر کے نام سے سلیمان شکوہ کے یہاں نہیں کسی دوسری جگہ پڑھا ہو، اور میر ضاحک، جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے سکندر سے دست و گریباں ہو گئے ہوں۔ مسئلے کے اس پہلو سے بحث کرنے سے قبل ہم ایک اور مخمس درج کرتے ہیں جو ہمیں کلیات حسن میں ملا ہے، اور جس کو پڑھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ دراصل میر ضاحک کا ہے اور غلطی سے میر حسن کے کلیات میں شامل ہو گیا ہے:-

(۱) ضاحک نہ خوف کر تو اب کیا ہے وہ مچھندر — بکرے کا ہے وہ ..... اور زادۂ قلندر
باندھے ہے تب نہ تب وہ بکرے کو باہر اندر — لکڑی کے بل نچا تو اس کو مثال بندر
.. تر اڑ رہے ہے ... ہے سکندر

(۲) وہ صورتِ مخنث ہے ایک مسخرہ سا — تل چاولی ہے داڑھی اور دوڑی خما سا۔
.... — ....

(۳) پھر اس سے کام کر کر تو آگے چل ادھر کو — ہاں اور بھی ہوں اس کی اورنٹی پہ جدھر کو
کر عشرت گاہ اس کے جا کر تمام گھر کو — ...... کھا کے ضاحک مضبوط کر کمر کو

(۴) از غیب سے صدائیں آتی ہیں مجھ کو ہر دم — یوتش ہے وہ بھڑوا اس کا نہ کر تو کچھ غم
سارے قبیلے کو تو .... — اور مار شوق سے خم

(۵) وہ ایک .... بچہ ہے بھڑوا — باطن میں نرم ہے ظاہر میں گو ہے کڑوا

کتراکے اپنی مونچھیں جب آئے وہ بھڑوا ‏‏ .. کا رکھ بنا کر تو اس کے سر پہ گرڑوا
دھینور کا چھوکرا ہے پورب کا ہے زنانہ ‏‏ (۶) ہے مارواڑیوں کے . . . . . . وہ دانا
پنجابیوں کا رکھتا ہے . . . . . . ‏‏ ایسے کی بات ہرگز خاطر میں تو نہ لانا
ہر اک زباں کا ماہر اس واسطے ہوا ہے ‏‏ (۷) ماں بنے حرام اس کی ہر جنس سے کیا ہے
سو نطفے جمع ہو کر ہر بابی اک بنا ہے ‏‏ کہہ اس کے منہ پہ جا کر ایسا دو شخص کیا ہے
ہے نقل اس کی اک دن جورو کا یار آیا ‏‏ (۸) اس ساحرہ نے بینڈھا اس کے تئیں بنایا
. . . . ‏‏ ڈرنے لگا جو دھگڑا اس کے تئیں ستایا
اس نے کہا کہ گر وہ آجائے گا تو پھر کیا ‏‏ (۹) کہنے لگی کہ مجھ کو اس کی نہیں ہے پروا
کچھ بات میں بنالوں ہر طرح سے تجھے کیا ‏‏ . . . .
. . . . . . آگئے لے ماں سے تا بہ خالا ‏‏ (۱۰) وہ بھڑوا سب طرح سے ہم خوب دیکھا بھالا
گر وہ چڑھے تو کیا ہے ہے ایک چڑیا والا ‏‏ ایسا کہاں سے آیا وہ رانی خاں کا سالا
ہمسائے میں تھی اس کے اک دن کسی کی شادی ‏‏ (۱۱) واں کے جا کے جورو اس کی بن ٹھن بی پیرزادی
ننھے میاں کو سر پر ٹھلا کے ماں زادی ‏‏ کر آپ کو مخاطب پھر یہ مثل سنادی
ننھے میاں جب آئے تب ایڑیاں رگڑ کر ‏‏ (۱۲) کہنے لگی کہ . . آئیں تو کھیلوں سر پر
دیور لگا یہ کہنے بھائی کہاں مجھے ڈر ‏‏ جھنجھلا کے پھر وہ بولی تو میرے آگے لا دھر
سودا ہوا سکندر گو ہووے کوئی کیسا ‏‏ (۱۳) مفلس ہو وہ حسن یار رکھتا ہو پاس پیسا
جیسا کہ کوئی ہوگا پائیگا یارو ویسا ‏‏ ناحق جو ہوئے دشمن تو کیا ہے ایسا تیسا

ان مخمسوں کے مطالعے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ یہ دونوں ۱۱۸۵ھ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان روہیلوں کی شکست سے پہلے فیض آباد میں لکھے گئے ہیں، میر ضاحک کے تعلقات سودا اور سکندر دونوں سے خراب تھے۔ دوسرا مخمس پہلے کا جواب معلوم ہوتا ہے، پہلا سکندر کی تصنیف ہے اور دوسرا میر ضاحک کا لکھا ہوا ہے۔ پہلا کلیات سودا میں اور دوسرا کلیات حسن میں، انگریزی کلیات کی غلطی سے شامل ہوگیا ہے، ہم نے اپنی رائے جن وجوہ سے قائم کی ہے وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) پہلے مخمس کے پندرہویں بند کا ایک مصرع ہے:۔ "بازو گرائے جلد کیٹھر کو یہ جائے" یہ مصرع روہیلوں کی شکست کے بعد کا اگر لکھا ہوا ہو تو اس میں کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔ شجاع الدولہ اور رحمت خاں کی لڑائی ۱۱۸۸ھ میں ہوئی ہے اور روہیلوں کو شکست فاش نصیب ہوئی ہے۔ جس نے ان کی قوت کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اودھ والے شجاع الدولہ کی ہوا خواہی میں مصلحتہً روہیلوں کو اہل بیت کا دشمن قرار دیتے تھے۔ سودا ۱۱۸۵ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان فیض آباد آئے ہیں۔

کیتھر روہیل کھنڈ کا پرانا نام ہے۔

(۲) اس کا ثبوت کہ مخمس فیض آباد لکھے گئے، یہ ہے کہ دوسرا پہلے کا جواب ہے اور پہلے مخمس کے ابتدائی بند میں لفظ "بنگلا" سے مراد فیض آباد ہے۔ بنگلا فیض آباد کا پرانا نام ہے، جس کا مصرع ہے کہ دو سال ہو مجھ کو بنگلے میں عید"۔

(۳) دونوں مخمس کے ابتدائی بند بہت ملتے جلتے ہیں اور چونکہ دوسرا پہلے کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے، خیال ہوتا ہے کہ دوسرا پہلے کو دیکھ کر اور اس کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

(۴) سودا اور ضاحک کی ہجو بازیوں کا کلیات سودا کی بدولت ہر شخص کو علم ہے، لیکن دوسرے مخمس کے آخری بند سے ثابت ہوتا ہے کہ سکندر نے بھی ضاحک کی ہجو کہی تھی (ضاحک کی رائے میں سودا اور سکندر ناحق ان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے)

(۵) پہلا مخمس کلیات سودا کے اس مطبوعہ نسخے میں جو آج کل رائج ہے نہیں پایا جاتا۔ آزاد نے اس کا ذکر کیا ہے، صفیر بلگرامی نے جلوۂ خضر جلد اول میں متعدد بند نقل کیے ہیں اور کلیات کے دو قلمی نسخوں میں جو اس وقت پیش نظر ہیں موجود ہے، لیکن سودا کے کلیات میں مرتب کرنے والوں کی بے پروائی سے بہت سا کلام دوسرے شاعروں کا داخل ہو گیا ہے، کیا تعجب ہے کہ سکندر نے اصلاح کے لیے دیا ہو، اور اس کا مسودہ سودا کے پاس رہ گیا ہو، مرتب کرنے والوں نے یہ سمجھ کر کہ سودا کا ہے کلیات میں شامل کر دیا اور اگر آزاد کی روایت کے مطابق یہ مخمس سودا کا ہے تو اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ میر ضاحک نے اس کے جواب میں سکندر کی ہجو کیوں لکھی۔

(۶) دوسرے مخمس کے آخری بند میں میر ضاحک کے بیٹے غلام حسن کا تخلص درج ہے۔ اور انہیں کے کلیات میں یہ مخمس ملا بھی ہے، ہماری قطعی رائے ہے کہ یہ مخمس ضاحک کا ہے اور یہ مصرع "مفلس ہو وہ حسن یا رکھتا ہو پاس پیسا" اس طرح ہوگا "مفلس ہو یا وہ ضاحک الخ" تیسرا اور چوتھا بند کبھی بیٹا باپ کے متعلق نہیں لکھ سکتا۔

---

[1] آب حیات طبع نہم ص ۸۲ و ۱۸۴ [2] حالی ضاحک [3] ص ۱۲۳ [4] تذکرۂ بیجگر سلیمان شکوہ کے رفقا کا حال معلوم کرنے کے لیے مجالس رنگین کا مطالعہ بھی ضروری ہے [5] ص ۱۱۶ و ۱۱۷ مصحفی اور حسن اگر کسی شاعر سے دہلی کی ملاقات ہو تو اسے فخر و بیان کرتے ہیں، اودھ میں اگر ملاقات ہوئی ہے تو اس کا ذکر کبھی کرتے ہیں کبھی نہیں [6] جلد سوم ص ۳۴۱ و ۳۴۵ [7] مصرع اول آب حیات اور جلوۂ خضر میں ایک طرح ہے، لیکن کلیات کے ۲ قلمی نسخوں میں دوسری طرح ہے۔ نسخہ کتبخانہ مشرقیہ بانکی پور، الف نسخہ کتبخانہ جناب اعجاز حسن صاحب و جناب یامین حسن خان صاحب [8] خیال ہے کہ اس مخمس اور اس کے بعد والے مخمس میں جہاں جہاں نقطے ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ الفاظ سمجھ میں نہ آئے، فحش کی وجہ سے خارج کیے گئے ہیں [9] ب روٹی توکی کھاکے کس طور مجھ [10] یہ ٹیپ کا مصرع ہر بند کے آخر میں آتا ہے [11] یہ بند ب میں نہیں، جلوۂ خضر اور الف میں ہے [12] الف اور ج میں تیسرے مصرع کی جگہ یہ ہے "گڑوا لے کے یہ کھنڈری کی اک جھولی سلا دوں" [13] ب اس سے کچھ اب ایسی بن آئے [14] ب اک بات بتا دوں [15] ب اور ج میں تیسرا مصرع یہ ہے "ہر جوان کے بچانے کی طرح تو" [16] ب جٹاں لال ؟ [17] دسواں اور بارہواں بند ب میں نہیں [18] ص ۸۲ [19] ص ۱۱۹ [20] تل چاولی ؟

اندر سبھا کے متعلق چند غلط فہمیاں

از آرزو جلیلی

ہمارے ملک میں قیاس کو تحقیق پر ترجیح دی جاتی ہے، اور سنی سنائی باتوں پر حد سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ کسی نے کچھ کہہ دیا یا لکھ دیا تو وہ لوہے کی لکیر ہو جاتی ہے اور مٹائے نہیں مٹتی۔ کسی روایت کا ایجاد ہونا شرط ہے، پھر تو نسلاً بعد نسلٍ وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہتی ہے، اور اعتقادیات میں اس طرح داخل ہو جاتی ہے کہ اس کی صداقت میں شک کرنا بھی کفر سمجھا جاتا ہے۔ نور الٰہی مرحوم اور محمد عمر صاحب نے ۱۹۲۱ء کے رسالہ اردو میں ایک مضمون بالاشتراک لکھا، اور اس میں اندر سبھا کے متعلق یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کا خیال فرانسیسیوں نے پیدا کیا اور انھیں کی ہدایت کے مطابق قیصر باغ میں اسٹیج تیار ہوا اس کی تصنیف واجد علی شاہ کی فرمائش سے ہوئی اور خود بادشاہ نے اندر کا پاٹ کیا۔ صاحبانِ مضمون کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا، اور اتنا بڑا دعویٰ محض زمانۂ حال کے ایک پارسی ایکٹر کے قول کی بنا پر کر دیا تھا۔ روایت پرستی کی یہ مثال تاریخ ادب اردو میں یادگار رہے گی۔ شرر نے دلگداز (جنوری ۱۹۲۲ء) میں اس مضمون کی تردید کی اور یہ لکھا کہ واجد علی شاہ کا مقرب بارگاہ کوئی فرانسیسی نہ تھا۔ صاحبانِ مضمون نے اس کا جواب رسالہ ہزار داستان لاہور میں شائع کرایا جس کا خلاصہ ان دونوں کی مشترک تالیف ناٹک ساگر میں درج ہے۔ ان صاحبوں نے اپنے دعووں کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے وہ ملخصاً یہ ہے:-

الف ناٹک ساگر ص ۳۵۵: جتنے اہل کار تھے سب اسی دُھن میں لگے رہتے تھے کہ رنگیلے پیا کے لیے کوئی نیا سامانِ تفریح پیدا کریں۔۔۔۔ اسی سلسلے میں ایک فرانسیسی مقرب بارگاہ نے مغربی تھیٹروں کا نقشہ پیش کیا۔۔۔۔ یہ وہ وقت تھا کہ بہ مصداق **کل جدید لذیذ فرانس بلکہ عام یورپ اوپیرا یعنی وہ ڈراما جو سر بسر** رقص و سرود کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے) **کا گرویدہ ہو رہا تھا۔** اس لیے **واجد علی شاہ کے حضور** میں جب **فرانسیسی ڈرامے کا ذکر آیا وہ اوپیرا تھا۔** ناچ گانا پہلے ہی ایک دل پسند خاطر چیز تھی۔ اس لیے ایسا ہوا کہ ہندوستانی مذاق کا اوپیرا تیار ہو۔ قرعہ فال امانت کے نام پڑا، جنھوں نے ۱۲۷۰ھ میں اس فرض کو بہ وجہ حسن ادا کیا"

ص ۳۵۹: " رہس تو خیر ہندوستان میں عام چیز ہے، لیکن **پردے جو بالکل مغربی چیز ہیں** اور رہس کی نمائش اُن کی دست نگر نہیں، ان کا قیصر باغ میں کیسے دخل ہوا؟"

ص ۳۶۲۔ " اندر سبھا کا تیار ہونا تھا کہ قیصر باغ میں اسٹیج تیار ہو گیا، جس میں فرانسیسی ہدایت کے مطابق ہندوستانی حرفت نے اپنے کمال دکھائے۔ مہ جبینان قیصر باغ پریوں کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں۔

واجد علی شاہ اندر کے تخت پر براجمان ہوے۔ باقی پارٹ بامذاق اہل دربار کو ملے۔ عوام کو اس مجلس میں بار نہ مل سکتا اس لیے ان لوگوں کے لیے چھوٹے پیمانے پر اس کی نمائش شروع ہوئی اور اندر سبھا کو قبول عام کا خلعت ملا۔"

مولفین ناٹک ساگر کے دعووں کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) واجد علی شاہ کا ایک فرانسیسی درباری تھا۔

(۲) اس فرانسیسی درباری نے فرانسیسی اوپیرا کا نقشہ پیش کیا، کیونکہ اس زمانے میں فرانس بلکہ عام یورپ اوپیرا کا گرویدہ ہو رہا تھا۔ اس لیے واجد علی شاہ کے دربار میں جس فرانسیسی ڈرامے کا ذکر آیا وہ اوپیرا تھا۔

(۳) پردے بالکل مغربی چیز ہیں اور رہس کی نمائش اُن کی دست نگر نہیں۔

(۴) امانت نے واجد علی شاہ کی فرمائش سے اندر سبھا لکھی اور واجد علی شاہ نے اندر کا پارٹ کیا۔

یہ چاروں دعوے بالکل بے بنیاد ہیں۔ میں ہر دعوے کے خلاف فرداً فرداً تاریخی ثبوت پیش کروں گا۔

(۱) ہمارے موجودہ علم کے مطابق واجد علی شاہ کے دربار میں کوئی فرانسیسی نہ تھا۔ تاریخ کے اوراق سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ یہ بات خلاف قیاس ہے۔ نواب اودھ اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں نواب سعادت علی نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی ملازمت میں کسی یورپی کو نہ رکھے گا۔ اس معاہدے کی حقیقت میں زرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

۱۷۹۷ء میں جب نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوا تو اس کی جانشینی کے لیے مرزا وزیر علی اور سعادت علی میں جھگڑا ہونے لگا۔ مرزا وزیر علی آصف الدولہ کا متبنّیٰ تھا اور آصف الدولہ نے اس کو اپنا وارث نامزد کر دیا تھا۔ سعادت علی آصف الدولہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ سعادت علی فساد کے خوف سے بنارس میں مقیم ہو گیا۔ سر جون شور کی مدد سے سعادت علی ۲۱ جنوری ۱۷۹۸ء کو مسند پر بیٹھا۔ اور اس کے عوض اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کے دفعات یہ ہیں:۔

(۱) نواب چھہتر لاکھ روپے کا سالانہ خراج ادا کرے گا۔

(۲) الہ آباد انگریزوں کے حوالے کر دیا جاے گا۔

(۳) اودھ میں انگریزی فوج کی تعداد دس ہزار ہو گی۔

(۴) (الف) نواب انگریزوں کو ۱۲ لاکھ روپے معاوضہ دے گا۔ کیونکہ وہ انگریزوں کی مدد سے مسند پر بیٹھا تھا۔

(ب) بغیر انگریزوں کی اجازت کے وہ کسی بیرونی ریاست سے راہ ورسم نہیں پیدا کرے گا۔ (ج) اپنی ملازمت میں کسی فرنگی کو نہ رکھے گا اور نہ کسی فرنگی کو اپنے علاقے میں سکونت اختیار کرنے دے گا[۱]

انگریز ہرگز نہ چاہتے تھے کہ کوئی فرنگی دربار اودھ میں آئے۔ اس پر وہ بڑی سختی سے عمل کراتے تھے۔ ۲۳ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو

[۱] تاریخ ہند مصنفہ مل ( ) جلد ششم صفحہ ۵۵۔

ولیسلی نے اودھ کے ریزیڈنٹ کو ایک خط لکھا تھا:

"...... میری خواہش ہے کہ کمپنی کے ملازمین کے سوا ہر یورپی نکال دیا جائے" [1]

۱۰ر نومبر ۱۸۰۱ء کو ولیسلی نے نواب وزیر سے ایک معاہدہ کیا جس کے ذریعہ اودھ پر کمپنی کو پورا اختیار حاصل ہوگیا ان تاریخی واقعات کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ سے بہت پہلے اودھ کا دربار فرنگی ملازمین سے خالی کر دیا گیا تھا نواب اودھ ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی انگریزوں کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ کسی فرنگی کو اودھ میں رہنے کی اجازت بھی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لیے یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ واجد علی شاہ کے دربار میں کوئی فرانسیسی تھا۔ جناب محمد عمر صاحب سے گزارش ہے کہ فرانسیسی درباری کے متعلق مستند کتب تاریخ کے حوالے پیش کریں۔

(۳) **اوپیرا کی تاریخ**:۔ مولفین ناٹک ساگر کا قول ہے کہ عہد واجد علی شاہ یعنی انیسویں صدی عیسوی میں فرانس بلکہ عام یورپ اوپیرا کا گرویدہ ہو رہا تھا۔ ان صاحبوں نے اوپیرا کو فرانسیسی ڈرامے کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اوپیرا کی پیدائش اٹلی میں سترہویں صدی عیسوی ہوئی۔ "اوپیرا" اطالوی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی کام کے ہیں۔ اوپیرا کی بنیاد سولھویں صدی عیسوی میں پڑ چکی تھی۔ مگر اس نے اپنی موجودہ شکل سترہویں صدی عیسوی میں اختیار کی۔ اٹلی کے مشہور ماہر طبیعات گلیلیو کا باپ وِنسنزو گالیلی اوپیرا کے اولیں بانیوں میں تھا۔ اُس نے ایک مشہور قصے کو منظوم ڈرامے کی شکل میں اس طرح پیش کیا کہ اٹلی کے ماہرین موسیقی دنگ رہ گئے۔ ۱۶۰۰ء میں جیکوپو پیری کا اوپیرا "یوریڈیس" پبلک کے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اٹلی میں اوپیرا کا رواج عام ہوگیا۔ اس کے بعد جب یورپ میں اوپیرا کی شہرت ہوئی تو جرمنی اور فرانس میں بھی اوپیرا نے رواج پایا۔ اوپیرا کے متعلق انیسویں صدی میں کل جدید لذیذ کی مثل صادق نہیں آتی۔

یہ مان بھی لیا جائے کہ اندر سبھا ہندوستانی مذاق کا اوپیرا ہے، جب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی تیاری میں فرانسیسی ہدایت کو دخل تھا۔ اگر زبانی دعویٰ کرنا ہے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اندر سبھا کی تیاری میں اطالوی، جرمنی، روسی اور ہسپانوی مشیروں کی ہدایت کو دخل تھا۔

(۴) **ہندوستانی تھیٹر میں پردے کا استعمال**:۔ مولفین ناٹک ساگر نے پردے کو خالص مغربی چیز قرار دیا ہے۔ یہ دعویٰ ان صاحبوں کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے سنسکرت کے ڈراموں میں پردے کا استعمال ابتدا ہی سے تھا۔ مسٹر ہوریس ہیمین ولسن نے اپنی مشہور تصنیف "تھیٹر آف دی ہندوز" میں سنسکرت کے بعض ڈراموں کا ذکر کیا ہے جن میں پردے کے استعمال کے متعلق ہدایات ہیں۔ ڈراما سنگیت رتناکر میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ "سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں اور استر گاتے ہوئے داخل ہوں اور رقاصہ پردے کے پیچھے سے آگے بڑھے"۔ سنسکرت کے

[1] تمام تاریخ ہند مصنفہ مل جلد ششم، ص ۱۷۶

ڈراموں میں جب ممثل اسٹیج پر آتے ہیں تو "پردہ اٹھاکر" یا "پردہ کھینچ کر" آتے ہیں۔ اس کے لیے سنسکرت میں ایک لفظ ہے "اپاٹکشے پے نا" جس کے معنی ہیں "پردہ اٹھاکر" یا "پردہ کھینچ کر"۔ مُدرا راکشس، سنسکرت زبان کا ایک مشہور ڈراما ہے، جس کا مصنف وِیساکھ دت ہے۔ یہ ڈراما آٹھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا، اور بمبئی "سنسکرت سیریز" میں چھپ چکا ہے۔ اس کی چوتھی اشاعت میں صفحہ ۲۰۸ پر یہ عبارت ہے:

(پردہ ہٹاکر وہ آگے بڑھتا ہے): "او راکشس! میں بشنوگپتا تجھے سلام کرتا ہوں۔"

یعنی بشنوگپتا جب اسٹیج پر آتا ہے تو پردہ ہٹاکر آگے بڑھتا ہے اور راکشس سے گفتگو کرتا ہے۔ سنسکرت کی اصل عبارت میں لفظ جبنیکا (   ) استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے معنی پردے کے ہیں اور سنسکرت زبان میں پہلی صدی عیسوی سے پایا جاتا ہے۔ سنسکرت ادب کے محققین کا متفقہ خیال ہے کہ سنسکرت کے ڈراموں میں پردے کا استعمال ابتدا ہی سے ہے۔ جب سنسکرت کے ڈراموں میں پردے کے استعمال کے متعلق ہدایتیں موجود ہیں تو پھر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمیں تسلیم کرلینا پڑیگا کہ پردے بالکل مغربی چیز نہیں بلکہ ان کا وجود ہندوستان میں کم سے کم پہلی صدی عیسوی سے ہے۔

(۴) **اندر سبھا کی تصنیف کا سبب**: مولفین ناٹک ساگر کا قیاسی دعویٰ یہ ہے کہ امانت نے واجد علی شاہ کی خواہش سے اندر سبھا لکھی۔ ان صاحبوں کے دوسرے دعووں کی طرح یہ دعویٰ بھی سراسر بے بنیاد ہے۔ انھوں نے اپنے دعوے کی تائید میں کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کیا۔ واجد علی شاہ کے اندر بننے کا ثبوت وہ لالا کنورسین کے قول سے دیتے ہیں[1] اور لکھتے ہیں کہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے ہماری مزید تشفی کردی۔ کنورسین جیسا یا کیفی صاحب امانت کا زمانہ نہیں دیکھا کہ ہم ان کے قول کو آنکھیں بند کرکے مان لیں۔ خود واجد علی شاہ کی تصانیف میں کہیں امانت کی اندر سبھا کا ذکر نہیں۔ اس موضوع پر جناب جناب مسعود حسن رضوی صاحب کا ایک مضمون رسالہ اردو (اپریل ۱۹۲۶ء) میں شائع ہوا ہے۔ جس میں صاحب مضمون نے شرح اندر سبھا کے حوالے اور دیگر دلائل سے مولفین ناٹک ساگر کے دعووں کی تردید کی ہے۔ شرح اندر سبھا کی مکمل عبارت اس مضمون کے ساتھ درج ہے اس میں خود امانت نے اندر سبھا کی تالیف کا سبب بیان کیا ہے۔ امانت کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے شاگرد عبادت کی فرمایش سے اندر سبھا لکھی۔ شرح اندر سبھا کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:-

"...... ایک روز کا ذکر ہے کہ حاجی مرزا عابد علی .... شاگرد اول موزوں طبیعت تخلص عبادت عاشق کلام امانت نے از راہ محبت کہا کہ بیکار، بیٹھے بیٹھے گھبرانا عبث ہے۔ ایسا کوئی جلسہ کے طور پر طبع زاد نظم کیا چاہیے کہ دو چار گھڑی دل لگی کی صورت ہووے اور خلق میں شہرت ہووے۔ آخر الامر موافق اس کی فرمایش کے بندہ کہنے پر آمادہ ہوا۔"

امانت کے اس بیان کو پڑھ کر بھی کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ امانت نے واجد علی شاہ کی فرمایش سے اندر سبھا لکھی۔؟ اس کے متعلق رضوی صاحب[2] مفصل بحث کرچکے ہیں۔ شرح اندر سبھا کے مطالعے سے مجھے ایک نئی بات

---

[1] ناٹک ساگر ص ۲۶۲ [2] اردو۔ اپریل ۱۹۲۶ء ص ۳۱۹۔

معلوم ہوئی کہ اندرسبھا کی تیاری بڑی مشکل سے ہوئی تھی۔ امانت کا بیان ہے :۔
"دو شخص اس جلسے کی تیاری پر آمادہ ہوئے، ہجوم حد سے زیادہ ہوئے۔ رفتہ رفتہ بعد ہزاراں شور و فساد کے اور حجت تکرار کے ڈیڑھ برس میں جلسہ تیار ہوا۔"
اگر امانت کو واجد علی شاہ کی سرپرستی حاصل ہوتی تو ڈیڑھ برس کی حجت و تکرار کے بعد کیوں جلسہ تیار ہوتا؟ دو شخص جن کا ذکر شرح اندرسبھا میں ہے، غالباً امانت کے دوست ہوں گے۔ کیونکہ اگر وہ واجد علی شاہ کے درباری ہوتے، اور واجد علی شاہ کے ایما سے اندرسبھا کی تیاری پر آمادہ ہوئے ہوتے، تو امانت اس کا ذکر ضرور کرتے۔ اس کے علاوہ اندرسبھا کا جلسہ ہنگامہ و فساد کے بعد تیار نہ ہوتا۔ اس لیے ہمیں ماننا پڑیگا کہ امانت کو واجد علی شاہ کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے۔ امانت کو لکنت کا مرض تھا، اور کسی زمانے میں ان کی قوت گویائی بھی سلب ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ گوشہ نشیں رہا کرتے تھے۔ شرح اندرسبھا میں امانت لکھتے ہیں:۔
"..... شب کو شام سے دو پہر رات گئے تک صحبت میں شاگردوں اور احباب کا مجمع رہتا تھا۔ مگر دل میں درپردہ عشق کی آگ تھی، طبیعت کو حسن سے لاگ تھی۔ وضع کے خیال سے نہ کہیں آتا تھا نہ جاتا تھا۔ زبان کی وابستگی سے گھر میں بیٹھے بیٹھے جی گھبراتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حاجی مرزا عابد علی......"
شرح اندرسبھا کے مندرجۂ بالا اقتباسات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ امانت کہیں آتے جاتے نہ تھے، اور جب تنہائی کی زندگی سے جی گھبرانے لگا تو انہوں نے اپنے شاگرد عبادت کی فرمائش سے اندرسبھا لکھی۔ امانت حسن پرست تھے۔ اس لیے انہوں نے ایسا ڈراما لکھا، جس میں ناچ گانا زیادہ ہو۔ ان کی طبیعت کا رجحان ہی کچھ ایسا تھا کہ انہوں نے جو ڈراما لکھا وہ رقص و سرود پر مشتمل تھا۔
یہ دو شخص کون تھے، جن کا اندرسبھا کی تیاری میں حصہ تھا؟ اس کی تحقیق کے لیے میں نے تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا مصنفہ ناصر لکھنوی کا مطالعہ کیا، اس تذکرے کی کتابت ۱۲۶۲ھ میں ہوئی، لیکن اس کے بعد ناصر وقتاً فوقتاً حاشیے میں اضافہ کرتے رہے۔ امانت کے حالات حاشیے میں درج ہیں اور ناصر نے اندرسبھا کی تیاری کے متعلق چشم دید حالات لکھے ہیں، خوش معرکہ ایک نایاب تذکرہ ہے۔ اس لیے میں امانت کے متعلق ناصر کا مکمل بیان نقل کرتا ہوں جسے پڑھ کر ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ امانت نے اندرسبھا کیوں لکھی اور اس کی نمائش کس طرح ہوتی :۔
"صاحب دیانت و متانت سید آغا حسن تخلص امانت ابن میر آقا علی عرف میر آغا برادرزادۂ میر طالب علی اچھوتی والے مشہور، اوائل میں میاں امانت نے برائے چندے میاں دلگیر صاحب اصلاح لی تھی پھر خود استاد بن بیٹھے۔ صاحب دیوان مخمسہ و مسدس و واسوخت و غزل اور مرثیہ و سلام بھی اپنی دانست میں خوب کہا اور ان کے کلام میں جگت و ضلع ہوتا ہے، انتہا یہ ہے کہ مرثیے بھی ان کے جگت سے خالی نہیں ہیں۔ ان کے مرثیے کا ایک مصرع یہ ہے :۔

"شامی کباب ہو کے پسندِ قضا ہوئے"۔ اور میاں امانت نے ہرچند چاہا کہ میرے آگے رنگِ میرانیس صاحب اور میرزا دبیر صاحب مٹ جائے، لیکن کہیں خواجہ صاحب اور شیخ صاحب کے روبرو کوئی اور شاعر چمکا کہ میاں امانت اور میاں عشق صاحب آگے ان دونوں کے چمکتے بہ قولِ شاعر:۔

چراغے راکہ ایزد بر فروزد　　　　ہر آں کس پف کند ریشش بسوزد

آمدم برسرِ مطلب۔ میر امانت صاحب کی زبان میں لکنت بھی تھی اور یہ مرض ان کا آبائی ہے، بلکہ ان کی اولاد تک کی زبان میں لکنت موجود ہے۔ لہٰذا مرثیہ تصنیف ان کا ان کے شاگرد پڑھا کرتے تھے اور ان کے شاگردوں میں جو اس کے تخلص کے اخیر میں تے ہوتی ہے، مثلِ جنت و عبادت و میاں فرحت وغیرہ کے، میاں امانت نے ایک میرانیس کی طرح مثنوی اندر سبھا تصنیف کی تھی۔ اس میں بجائے امانت، تخلص استاد اپنا قرار دیا تھا، اور اس مثنوی میں غزل اور ہولی، ٹھمری اور چھند ریاں بھاکھا میں کہی تھی۔ چنانچہ جس کو شنکر پنڈت کشمیری اور بہاری کہار اور میر حافظ نے چند طفلانِ حسین اور امردانِ ماہ جبیں خوبصورت جمع کر کے اور لڑکوں کو مثنوی یاد کرا کے، اور تعلیمِ راگ اور ناچ دلوا کر ایک رہس کھڑا کیا تھا، اور وہ پندرہ روپے روزینے پر مجرے کے لئے بھی جاتے تھے، چنانچہ خلائق نے یہ جلسہ جدید دیکھ کر بہت پسند کیا، اور ہزارہا لوگ بازاری جمع ہونے لگے۔ ایک روز مؤلف بھی اس جلسۂ رہس اندر سبھا میں گیا، دیکھا میں نے کہ ہزارہا لوگ ان امردانِ حسین پر مفتوں و شیفتہ (ہیں) بہ قولِ راحت خاں:۔

ہجومِ ماہ رویاں اس قدر تھا　　　　کہ مجھ کو دل کے پس جانے کا ڈر تھا

اور میاں امانت مسند پر بیٹھے تھے اور ایک لونڈا مہ پارہ آگے گاتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر چندے توقف کے بعد اپنے مکان پر چلا آیا۔ غرض کہ یہ اندر سبھا خوب چمکی اور مشہورِ خلائق ہوئی۔ جیسے کہ میر حسن کی مثنوی سے ہزارہا عورات فاحشہ ہو گئیں ویسے ہی اس مثنوی اندر سبھا سے ہزارہا مرد لوطی و مغلم ہو گئے اور اغلام نے خوب رواج پایا، اور مرثیہ میاں امانت صاحب کا اچھوتوں والے امام باڑے واقع منصور نگر لکھنؤ میں پڑھا جاتا ہے، قابلِ شنیدنی ہے (۹) یہ چند اشعار اچھوتے میاں امانت صاحب کی غزل کے، واسطے یادگار کے لکھے جاتے ہیں۔ وہو ہذا:۔

خیال آتا ہے دل کو شکوۂ بیداد کیا کیجیے　　　　خدا سے لے بت کافر تری فریاد کیا کیجیے

امانت کوہ پر پہنچا تو یوں فرہاد چلایا　　　　لبوں پر جانِ شیریں ہے اب استاد کیا کیجیے

ناظم کے مندرجۂ بالا بیان سے ہم حسب ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:۔

۱) شنکر پنڈت کشمیری، بہاری کہار اور میر حافظ نے اندر سبھا کے لیے اسٹیج تیار کیا۔

۲) کم سن لڑکوں کو ناچ کی تعلیم دی گئی اور انہوں نے اندر سبھا میں پاٹ کیا۔

۳) امانت کی زبان میں لکنت تھی، اس لیے ان کے مرثیے ان کے شاگرد پڑھا کرتے تھے۔

امانت نے شرح اندر سبھا میں جن دو شخصوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ شنکر پنڈت کشمیری، بہاری کہار اور میر حافظ میں سے کوئی دو شخص ہونگے، جن کا تیسرے کے مقابلے میں اندر سبھا کی تیاری میں زیادہ نمایاں حصہ ہوگا۔ اندر سبھا کی تیاری کی جو کچھ حقیقت ہے وہ یہی ہے۔ اس شہادت کی موجودگی میں لالا کنور سین یا مؤلفین ناٹک ساگر کے قیاسی دعووں کی کچھ بھی وقعت نہیں۔

ناصر کے بیان سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کم سن لڑکوں نے اندر سبھا میں پارٹ کیا۔ واجد علی شاہ یا ان کے درباریوں نے اس میں کوئی پارٹ نہیں کیا۔ میں اس کے قبل یہ لکھ چکا ہوں کہ امانت کو لکنت کا مرض تھا۔ اور جب ان کی قوت گویائی سلب ہوگئی تھی تو وہ کہیں آیا جایا نہ کرتے تھے، ناصر کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امانت کے مرثیے ان کے شاگرد پڑھا کرتے تھے۔ ایسے شاعر کا واجد علی شاہ کے دربار میں کیونکر گزر ہوا ہوگا جو اپنے اشعار خود نہ پڑھ سکتا ہو؟ لکھنؤ میں اچھے اچھے شعرا موجود تھے۔ امانت میں کوئی خاص خوبی نہ تھی کہ واجد علی شاہ انہیں اپنے دربار میں بلا لیتے۔ امانت کے بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں واجد علی شاہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ ناصر کے بیان سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ ناصر نے خود اپنی آنکھوں سے اندر سبھا کا تماشا دیکھا تھا۔ عہد حاضر کے کسی ادیب کے مقابلے میں ناصر کا بیان زیادہ قابل وثوق ہے، اس کے بیان سے خود مصنف اندر سبھا کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے مؤلفین ناٹک ساگر کے دعوے بالکل بے بنیاد ہیں۔

---

[1] "سعادت خان ناصر ولد رسالت خان باشندہ نگینہ مقیم لکھنؤ۔ پانچ دیوان ایک تذکرہ ان کا ہے۔ مشورہ چھوٹے مرزا مذنب سے ان کو تھا"۔ سراپا سخن مصنفہ محسن لکھنوی۔
محسن نے جس تذکرے کا ذکر کیا ہے وہ خوش معرکہ ہے، جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔

[2] امانت کی پوری غزل میں نے اس لیے نقل نہ کی کہ میرے مضمون سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ یہ غزل اندر سبھا میں موجود ہے۔

۱۹۳۶ء کے ادبی مضامین

ہمایون لاہور جولائی "انیس" از جناب دمی رضا ایم۔ اے۔ ص ۳۰۹ تا ۳۲۵ 'میر' جناب صفی حیدر خاں فل بی۔ اے ص ۳۲۰ تا ۳۳۸، **'غالب'** از حضرت طالب صفوی ص ۳۴۱ تا ۳۵۰

(ہمایون نے اس سوال کے بہترین جواب کے لیے انعام مقرر کیا تھا کہ اردو کا بہترین شاعر کون تھا؟ انیس و میر و غالب کے علاوہ حالی و اقبال کو بھی لوگوں نے اردو کا بہترین شاعر قرار دیا ہے۔ معیار)

الناظر جون لکھنؤ مرتبہ جناب ظفر الملک علوی **پدماوت (عشرت و عبرت)** از جناب حاجی امیر احمد علوی صاحب ص ۱ تا ۱۷۔ (۱) عبرت و عشرت کی پدماوت ۱۲۶۵ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ نے شائع کی تھی (اس کے دیباچے میں عشرت نے میرزا علی لطف کو سودا کا شاگرد رشید لکھا ہے۔ معیار)

سالک از جناب محمد یحییٰ صاحب تنہا ص ۲۱ تا ۳۰ (۱) قربان علی بیگ سالک کے حالات زندگی سوا اس کے کہ پہلا تخلص قربان تھا، غالب کی ہدایت سے بدل کر سالک رکھا، کل حالات خمخانۂ جاوید سے ماخوذ ہیں، خمخانۂ جاوید میں سالک کے چچا کا نام رن بہادر خان رکھا ہے۔ مضمون نگار نے اسے بہادر خان بنا دیا ہے۔ نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد سے سن وفات نکلتا ہے۔ ہم کے نزدیک اس سے ۱۲۹۱ اور صاحب خمخانہ کی رائے میں ۱۲۹۲ نکلتا ہے۔ دونوں غلطی پر ہیں۔ یہ تاریخ اگر بغیر تخرجے کے ہے تو اس سے ۱۲۹۰ نکلتا ہے۔ سن عیسوی دونوں نے ۱۸۷۹ دیا ہے۔ یہ ۱۲۹۰ کے مطابق ہے۔ معیار) (۲) دیوان مطبوعہ کا نام ہنجار سالک ہے سال اشاعت ۱۸۷۱ء ابتدا میں حالی کی تقریظ اور سالک کا دیباچہ ہے۔ ہر دو فارسی (سالک کے کلام پر ناقدانہ رائے بھی ظاہر کی ہے۔ معیار)

ندیم گیا جون، **بیدل عظیم آبادی** از حکیم سید احمد اللہ صاحب ص ۱ تا ۱۲

سر اور پر جب کوئی نہیل تو دشمن آپن کیس چٹنہ نگری چھاڑو من اب بیدل چلے بدیس

(ہم نے اس شعر کو بیدل کی طرف منسوب کر کے بہت سے نتائج نکالے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے پاس کیا ثبوت اس امر کا ہے کہ یہ شعر بیدل کا ہے۔ معیار) (۲) (ہم نے حسب ذیل تذکروں سے بیدل کے حالات نقل کیے ہیں۔ تذکرہ تمنا اورنگ آبادی، تذکرہ مخزن الغرائب مصنفہ ناصر علی سرہندی، تذکرہ قدرت اللہ شوق، تذکرہ بے نظیر، تذکرہ چمنستان شعرا، مخزن الغرائب ایک ضخیم تذکرہ ہے جس کا مصنف احمد علی سندیلوی ہے، جہاں تک ہمیں علم ہے ناصر علی نے کوئی تذکرہ نہیں لکھا۔ اگر اس نام کا کوئی دوسرا تذکرہ ناصر علی نے لکھا ہے تو اس کا ثبوت دینا چاہیے۔ معیار) (۳) بہار ستان سخن مصنفہ عبدالرزاق خان خوافی مخاطب بہ شاہ نواز کے حوالے سے ہم نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ناصر علی نے ایک غزل لکھی:- "از چوں در جلوہ آئی مغز جاں سیماب می گردد تجلی می کند بہتے کہ آتش آب می گردد"

ناصر علی نے یہ اعلان کیا کہ اگر کوئی اس کا جواب لکھ کر ملک سخن میں خدائی کا دعویٰ کرے، تو میں اس پر ایمان لاؤں گا، بیدلؔ کے اشارہ سے ان کے شاگرد رشید عزت نے جواب لکھا۔ ناصر علی سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے شاعر نے ناصر علی کی غزل کا جواب نہ دیا۔ (۲) (بیدلؔ کے عظیم آبادی ہونے کے متعلق جو شہادتیں ہیں۔ ان کے باب میں مئی کے معیار میں لکھا جا چکا ہے۔ ہم نے بیدلؔ کے اُستاد کے کمال کا ذکر کیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ عبد العزیز عزت کو بھول گئے۔ معیار)

اُردو نثر کی ارتقا میں ارباب بہار کا حصّہ، جناب سید محمد ظہ اشرف صاحب ص ۳۹ تا ۴۲ (۱) حضرت سید شاہ احمد حسین، وطن اتھوا ضلع گیا، سنہ ولادت نامعلوم، وفات ۱۲۰۳ھ عمر ۵۰ سے زیادہ پائی۔ اُردو میں آپ کی تصانیف موجود ہیں (ہم نے اور حالات بھی دیے ہیں۔ معیار) (۲) القول المحمود فی بیان محفل المولود، سال تصنیف ۱۲۸۴ھ مطبوعہ مطبع محمدی خواجہ کلاں، پٹنہ ۱۲۹۵ھ ص ۱۹۹ کے بعد عبد الاحد الہ آبادی طبیب تخلص کی تقریظ ہے جو ایک صفحہ کے بعد ضائع ہو گئی ہے۔ (۳) ترتیب المدارج مصنفہ ۱۲۹۱ھ، مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۹۵ھ موضوع "مسئلہ ترتیب فضائل خلفائے راشدین (۴) رسالہ قلمی مصنفہ ۱۲۹۹ھ موضوع وجوب تقلید شخصی (۵) حضرت سید شاہ ظہور الحسن قادری برادر مصنف رسائل مذکورہ کے بھائی تھے۔ ان کی تصانیف زیادہ تر عربی فارسی میں ہیں، اُردو میں صرف ایک رسالہ ازالۃ الخفا عن سیادۃ اشرف الشرفا ملا ہے، جو اب تک غیر مطبوعہ ہے، موضوع حضرت غوث پاک کی سیادت کا اثبات،

اظہار حقیقت، پہلی قسط، معرکہ شادؔ و صفیرؔ از جناب حمید عظیم آبادی ص ۴۴ تا ۵۲ (۱) کنور سکھ راج بہادر رحمیؔ نے ۲۴ اگست ۱۸۷۰ء کو ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا جو لوگ اس کے مدعی ہیں کہ جناب شادؔ جناب صفیرؔ کے شاگرد تھے ان کے قول کے مطابق اس سے ۸ برس قبل ہی اصلاح کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس مشاعرے کا گلدستہ عبد الحق انجم شاگرد رجب علی بیگ سرور نے مرتب کیا تھا، اس میں شادؔ کو فرہاد کا شاگرد لکھا ہے۔ (۲) اس گلدستے میں انجم نے گیارہ ممیز شعرا اور استادوں کے نام ترتیب وار بحیثیت تفوق شاعرانہ درج فرمائے ہیں ... شاغل دہلوی، سید شاہ حکیم احمد صوفی، محمد وحید الدین وحید الہ آبادی، حکیم عبد الحمید پریشان، محمد علی خاں حیرتی، سید علی محمد شادؔ، سید فرزند احمد صفیرؔ، ایک طرفدار شخص نے شادؔ کو صفیرؔ پر ترجیح دی ہے (جناب حمید کو چاہیے تھا کہ انجم کی عبارت نقل کر دیتے۔ جس سے یہ پتا چلتا کہ انجم نے ترتیب میں کس اصول کو مد نظر رکھا ہے محض اس امر سے کہ ایک خاص ترتیب سے نام لکھے گئے ہیں، کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ اس بنا پر تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انجم صوفی کو وحید سے بہتر سمجھتے تھے اور حیرتی کو شادؔ و صفیرؔ دونوں پر ترجیح دیتے تھے معیار) (۳) اس گلدستے میں شادؔ کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے ہیں "یکہ تاز میدان فصاحت، غواص دریائے بلاغت موجد طرز رنگیں بیانی عدیم المثال لاثانی سخن آور مقام شناس، رنگین ادائے بدیع اساس محسود حساد جناب سید علی محمد شادؔ اور صفیرؔ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے" سر دفتر منشیان جہان، سر حلقہ فصحائے زمان، واقف و ماہر ہر فن سحر بیان

شیریں سخن، دیباچۂ دیوانِ علم، شیرازۂ مجموعۂ حلم، رشک انوری و جامی جناب مولوی سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی الخ (محسود حساد سے بھی کوئی خاص نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا، انجمن کی غرض صرف مقفیٰ نثر لکھنی تھی اور بس، ورنہ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ وہ واقعی صفیر کو انوری اور جامی پر ترجیح دیتے تھے۔ معیار) (۴) اسی مشاعرے میں جناب شاد نے ایک قطعہ پڑھا۔

فلک روئے نہ اب کیونکر عظیم آباد کے اوپر ۔۔۔ نہ اب باقی بلاغت ہے نہ یاں شورِ فصاحت ہے

اس میں معاصرین کا بھی ذکر کیا ہے۔

عطا باوصفِ عمر ہنگامہ آرائے معانی ہے ۔۔۔ مشامِ جاں معطر کرنے میں معروف نکہت ہے

صفیر خوش نوا کی شکر افشانی کے چرچے ہیں ۔۔۔ وحید بے بدل کے شعر سے عالم کو رغبت ہے

(م نے، اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاد نے صفیر کا ذکر استاد کی حیثیت سے نہیں کیا ہے، یہ نتیجہ صحیح ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شمشاد میں حضرت شاد، حضرت صفیر کو اپنا استاد نہیں مانتے تھے۔ معیار) (۵) (م نے شاد و صفیر کی طرحی غزلیں نقل کرکے شاد کے تفوق کا دعویٰ کیا ہے۔ معیار)

جولائی ، اظہارِ حقیقت، از جناب حمید ص ۵۰ تا ۵۸ (جناب شاد مرحوم کی غیر مطبوعہ تصانیف فکر بلیغ اور مردم دیدہ کے اقتباسات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاد بغیر صفیر کی وساطت کے دبیر کے پاس اصلاح کے لیے گئے تھے، ایک مرثیے اور ایک فارسی مثنوی کے علاوہ کسی چیز پر دبیر سے اصلاح لینے کا موقع نہ ملا۔ معیار)

تنویر کراچی جولائی آثار ادب ص ۴۰ (۱) ثابت تخلص سید محمد تقی ابن مظفر علی اسیر شعر ذیل کے علاوہ دو شعر اور عروج بہار نومبر ۱۸۹۳ء سے نقل کیے گئے ہیں :-

شاید آغاز میں انجام کی ہے فکر اسے ۔۔۔ شمع روتی ہوئی محفل میں مری آئی ہے

(۲) مفتون تخلص، سلیمان مرزا لکھنوی ابن علی اوسط رشک، ترک وطن کرکے بمبئی میں مقیم تھے، عروج بہار بمبئی اپریل ۱۸۹۵ء سے ۳ شعر نقل کیے گئے ہیں از اں جملہ :-

رنج و الم ملے ہمیں جور و جفا ملے ۔۔۔ ملنے سے اور تجھ سے ستمگر سے کیا ملے

(۳) وسیم تخلص منشی لبشیشر سہائے پانڈے رئیس گورکھپور شاگرد ناسخ، ۵ شعر ماخوذ از گلدستۂ شعرا :-

اس کا کیا شکوہ کہ وہ جور و جفا کرتے ہیں ۔۔۔ اپنی تقدیر کا البتہ گلا کرتے ہیں

ملے فردوس بریں حضرتِ ناسخ کو وسیم ۔۔۔ ہم شب و روز خدا سے یہ دعا کرتے ہیں

۱؎ مئی ۱۹۳۶ء کے معارف میں بھی ان دونوں کے حالات ہیں ص ۳۶۶ تا ۳۶۷

محاکمہ

(۱) دیوان معروف از جناب ریاض حسن خان صاحب خیال (۲) تبصرۂ سہیل از ؟ (۳ و ۴ و ۵)

دریائے لطافت؛

ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد،

شرف جہاں کا ایک شعر، از ق ع د

(۱) دیوان معروف میں ابھی بہت سے اشعار باقی ہیں جو تصحیح کے محتاج ہیں، بعض کی تصحیح جو معیار میں کی گئی ہے اس سے مجھے اختلاف ہے، اس قسم کے چند اشعار اس وقت لکھے جاتے ہیں۔ باقی آئندہ :-

ص ۱۱۹ دل ہو جس کا فقیر کچھ اس کو نہیں مانع ثنا فقیری کی = غنا

ص ۱۲۶ گر کلاہ بوریا مانگے کوئی مجھ سے فقیر = کلاہ و بوریا

ص ۱۲۷ ذوقِ سماع مجھ کو کچھ آج سے نہیں ہے سوزیدہ ازل سے ہوں ڈھب ہے مجھے سدا کی

اس شعر کی تصحیح پہلے ہو چکی ہے 'سوزیدہ' کی جگہ 'شوریدہ'، اور 'سدا' کی جگہ 'صدا' صحیح ہے، لیکن 'ڈھب' اپنی جگہ پر رہنے دیا ہے، یہ میری رائے میں 'دھت' ہے۔

ص ۱۲۸ جس کو چوری کا پڑ گیا لپکا ثناہ کی قدر کب وہ جانے ہے

ساہ سین مہملہ سے بمعنی تاجر، بیوپاری، بنجارا۔

ص ۱۲۹ بوسہ پایہ لیکے دل سے کہا دل اتنا چڑھا دیا کس نے = پہ ، یہ

ص ۱۳۰ میں گنہگار لیکن اے رحمت ہم کو تقویٰ بندھا دیا کس نے = ہیں

ص ۱۳۱ یہ لڑکے نفیس شہر کے مارینگے اگر ہاتھ سے اپنے اوسان دوگے
جنون آچکا تھا کہ صحرا کو قیس جبھی دوڑ پڑوگے جو میدان دوگے

مصرع سوم یوں ہونا چاہیے :- جنوں آچکا بھاگو صحرا کو قیس اب

۱۳۵ حبیب جو معروف کہ حاکم نے کیا ہے یہ تحکم کوئی اس شہر میں ہاں شعر نہ کہنے پائے = چپ

۱۳۹ سہل ہو کیسی ہی گو کیسی ہی مشکل آئے پر یہ آفت تو نہ ہوئے کہ کہیں دل آئے = کتنی ہی

۱۴۸ بخشے نہ کیونکہ گوہر ابرِ مقصد وہ زیرِ فیض بیٹھی ہے دونوں ہاتھ صدف اب پسار کے = مقصود ابر؟

۱۴۰ دوست دشمن سب چلے آتے ہیں لینے کو خبر تو بھی گھر تک وہاں چلو کیا اس میں تیرا جائے ہے = ٹک

۱۵۱ اب اٹھایا تو بھی ہم نے وہ لے عقل سے گم ہے بہت عشق کا انبار خدا خیر کرے = گرانبار

۱۵۴ نہ پوچھ مجھ سے غم درد صدمہائے فراق اس کی تصحیح ہوئی ہے "غم درد و صدمہ ہائے فراق"۔
میری رائے میں غم درد و صدمہ ہائے فراق ہونا چاہیے۔

(۲) تبصرۂ سہیل :- سہیل کے ایک مضمون پر اعتراض کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا۔ ص ۳۴۲ :- " امین الدین امین کے متعلق یہ لکھنا کہ ۱۲۵۰ میں بہ عالم ضعیفی زندہ تھے، فاحش غلطی ہے، کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ امین کے زمانۂ حیات وممات کے متعلق مضمون نگار سری رام کے بیان کو مرزا علی لطف علی کے بیان پر ترجیح دیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ امین کا انتقال ۱۲۰۰ھ سے بھی قبل ہو چکا تھا، جیسا کہ ایک قدیم بیاض سے ثابت ہوتا ہے، جو ہمارے پاس موجود ہے"۔

سہیل اس وقت ہمارے سامنے نہیں، اور ہمیں یہ یاد نہیں کہ مضمون نگار نے مرزا علی لطف کے تذکرے کا ذکر کیا تھا یا نہیں، بہر حال، اس تذکرے میں امین کی وفات کا ذکر نہیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ امین ۱۲۱۵ھ (سال تالیف تذکرہ) میں زندہ تھے۔ اس بیاض کے علاوہ جس کا حوالہ ہم نے دیا ہے، علی ابراہیم خان کا ایک خط ریاض المنشآت میں موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علی ابراہیم خان زندہ ہی تھے کہ امین کا انتقال ہو چکا تھا علی ابراہیم خان کا سال وفات ۱۲۰۸ھ ہے۔

(۳) دریائے لطافت نسخۂ مرشد آباد کے مصحح نے ایک تمہید لکھی تھی، اس کے اقتباسات معیار ص ۵ پر شائع ہوئے تھے، ہمارے ایک فاضل دوست نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ اس میں تین غلطیاں رہ گئی ہیں۔ سطر ۲ میں انضباط کی جگہ التقاط ہونا چاہیے۔ س ۹ میں جدید الوجود کی جگہ جدید الورود، اور اسی سطر میں بکار آمد کی جگہ کار آمد صحیح ہے۔

(۴) ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد اس مضمون میں یہ آیت نقل کی گئی تھی " اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۔ حاشیے میں لکھا گیا تھا کہ اس سے ۱۰۳۸ نکلتا ہے ص ۱۰۴ مرآۃ الاحوال کے دو نسخے پٹنہ میں ہیں اور دونوں میں یہ آیت اس طرح ہے، لیکن آیت دراصل یوں ہے ! اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ، اس صورت میں ۱۰۳۸ کی جگہ ۱۰۴۷ نکلے گا۔ ص ۱۰۵ س ۴ حاجی محمد ناصر قزوینی۔ ناصر غالباً تاجر ہے۔ ص ۱۰۵ س ۱۱ آقا محمد تنخزانی۔ ایک نسخے میں اسی طرح ہے، لیکن دوسرے میں آقا محمد خراسانی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

(۵) شرف جہاں کا ایک شعر معیار ص ۱۱۶ پر اس طرح نقل ہوا ہے۔

" زبیداد تو کے خواہم جدائی برگرفتم من گر از زشت بہ یک حرف عتاب آلود برخیزم"

شعر العجم میں " برگرفتم" کی جگہ " نے رقیبم" ہی، کلیات حسن مختار میں برگرفتم ہی ہے لیکن یہ صحیح نہیں شرف جہاں کا دیوان یہاں موجود نہیں کہ قطعی طور پر یہ کہا جا سکے کہ برگرفتم کی جگہ شرف جہاں نے کیا لکھا تھا۔

ہماری زبان

(۱) جزاور جزو کی بحث، از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی ۔ صدر شعبہ عربی و فارسی، الٰہ آباد یونیورسٹی۔

(۲ و ۳ و ۴) ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں کو کا استعمال۔ از ڈاکٹر عندلیب شادانی ۔ ایم اے پی ایچ ڈی استاد فارسی ڈھاکہ یونیورسٹی و ڈاکٹر عبدالستار صدیقی و جناب ریاض حسن خان صاحب خیال۔

'جز' اور 'جزو' کی بحث

(از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی)

اُردو میں اس لفظ کا فصیح تلفظ "جُز" ہی ہے اور اتنی ہی دلیل اس کی صحت کے لیے کافی ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ آپ فارسی عربی کی سند مانگیں گے، اس لیے اُدھر رجوع کرنا ضروری ہے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ "جُزء" (ٹکڑے کے معنوں میں) عربی لفظ ہے۔ اس لفظ کا مادہ (ج ز ء) ہے، (ج ز و) ہرگز نہیں، بلکہ عربی میں (ج ز و) سرے سے کوئی مادہ (کسی اور معنی میں بھی) ہے ہی نہیں، آپ فرماتے ہیں کہ "جزو" صحیح ہے۔ اس لیے تھوڑی دیر کے لیے مانے لیتا ہوں کہ اس لفظ میں واو ہے؛ مگر یہ واو اصلی نہیں ہو سکتا، جب اصلی نہیں تو آپ فرمائیں گے کہ زائد ہوگا، مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ واو یہاں لام کلمے کی جگہ پر ہے اور نہ فے کلمہ، عین کلمہ، یا لام کلمہ زائد نہیں ہوتا، اصلی ہوتا ہے۔ جب وہ نہ اصلی ہے نہ زائد، تو اس کی ہستی موہوم ہے۔

اس موہوم ہستی کے متعلق آگے چل کے کسی قدر تفصیل سے عرض کرونگا، پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ فارسی لغت نویسوں نے کیا فرمایا ہے۔ فارسی لغت کی زیادہ سیر حاصل کتابیں متاخرین نے تالیف کیں اس لیے پہلے اُنہیں کو دیکھنا چاہیے۔

فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی اور برہان قاطع میں نہ "جُزء" ملتا ہے، نہ "جز" اور نہ "جزو" اور یہ ٹھیک بھی ہے اس لیے کہ اِن کتابوں میں ٹھیٹ فارسی لفظ درج کیے گئے ہیں، عربی لفظوں سے مطلق بحث نہیں، مگر تعجب تو یہ ہے کہ فارسی لفظ "جز" (جس کے معنی "سوا"، "علاوہ" وغیرہ ہیں) اس کو بھی نہیں لکھا ہے۔ اس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفوں نے فارسی لفظ "جز" کو بھی عربی سمجھ رکھا تھا۔ بہار عجم میں عربی لفظوں کو بھی جگہ دی گئی ہے، چنانچہ اس لفظ کے متعلق یہ تفصیل ملتی ہے:—

> "جُزء، بالضم، در لغت عرب بمعنی پارہ است۔ و در فارسی جُز، بدون ہمزہ، ظاہر مخفف ہماں عربیست۔ و چوں آن را مضاف نمایند بہ چیزے، بجاے ہمزہ واو نویسند۔ و گویند جزوِ طلا ہم طلا است، و ہمچنیں 'جزوِ بدن' و جز آں۔ بہر تقدیر اسم است و بمعنی غیر نیز اسم است،

لیکن بہ اضافت مستعمل نیست۔ و بمعنی مگر حرف است، چنانچہ گوئی "آمدند ہمہ مردم
جز زید۔۔۔۔۔۔۔"

اس فارسی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) عربی لفظ "جُزْءٌ" ہے [ہمزہ کے ساتھ] (۲) فارسی میں یہ لفظ "جُز" (بلا ہمزہ) ہو گیا۔

(۳) یہ فارسی "جُز" عربی لفظ کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔

(۴) فارسی میں اضافت کی صورت میں ہمزہ کی جگہ واو لکھتے اور بولتے ہیں یعنی "جزوِ"

(۵) بہر حال یہ لفظ اسم ہے۔

(۶) اس لفظ کے ایک معنی ہیں "غیر" اور اس معنی میں بھی اسم ہے، لیکن اضافت کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا۔

(۷) اس لفظ کے ایک معنی ہیں "مگر" اور اس معنی میں یہ لفظ حرف ہے۔

ان سات باتوں میں سے پہلی، دوسری اور پانچویں میں کوئی شبہ نہیں، تیسری بات میں کسی قدر تامل ہوتا ہے، اس لیے کہ "مخفف" کے اصطلاحی معنی اور ہیں۔ اس لفظ میں سے ہمزہ اسی طرح گرا ہے جیسے دعاء، شُعَفاء، حکماء وغیرہ میں سے، فارسی زبان میں لفظ کے آخر میں ہمزہ نہیں ہوتا (سوا اضافت کے کسرے کے جب وہ مختفی ہے کے بعد آئے جیسے "بندۂ درگاہ") اس لیے جن عربی لفظوں کے آخر میں ہمزہ تھا وہ فارسی میں بغیر ہمزہ کے بولے جانے لگے۔ پس "جُز" کو عربی لفظ "جزءٌ" کا مُعرّب کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مخفف نہیں کہہ سکتے۔ (۴) کے متعلق آگے چل کے عرض کرونگا (۶) اور (۷) کو عربی لفظ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان معنوں میں "جُز" ایک ٹھیٹ فارسی لفظ ہے۔ عربی لفظ "جزءٌ" کا کوئی اثر تک اس پر نہیں پڑا ہے (۴) کے متعلق یہ دریافت کرنا ہے کہ ہمزہ اور لفظوں میں بھی واو سے بدلا گیا ہے یا نہیں؟ "سُوءٌ" ایک عربی لفظ ہے فارسی میں اکیلا نہیں بولا جاتا۔ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، جیسے سُوءِ ادب، سُوءِ مزاج، سُوءِ دماغ وغیرہ یہاں ہمزہ واو سے نہیں بدلا۔ "ضوء" میں بھی نہیں بدلا، یعنی "ضوءِ آفتاب" کہیں گے، نہ کہ "ضوِ آفتاب"۔ عربی لفظ "شیءٌ" کا ہمزہ بھی فارسی زبان میں نہ آیا بلکہ "لاشیءٌ" کو بھی "لاشی" بولنے لگے۔ واو اس میں بھی کہیں نہ آیا۔

صاحب غیاث اللغات نے بھی وہی لکھا ہے جو بہار عجم میں ہے، صرف دو باتیں زیادہ کی ہیں ایک یہ تشریح کہ:۔

"لفظ 'جز' بدون واو کلمۂ فارسی است و ہمہ جا بمعنی 'غیر' آید۔ ہر چند کہ مرادف لفظ 'غیر' است مگر بخلاف لفظ 'غیر' مقطوع الاضافۃ باشد یعنی بکسرہ کہ علامت اضافت است مستعمل نمی شود"

دوسری بات یہ لکھی کہ:۔

"در عبارت عربی ایں ہمزہ اگر مضموم باشد بصورت واو نویسند چنانکہ "ھٰذا جزؤہ" واگر

مکسور باشد بصورت یا نویسند چنانکہ "عَوَّذتُ اِلیٰ جُزئِہٖ"[1] واگر مفتوح باشد،
بصورت الف نویسند چنانکہ "رَأَیتُ جُزأَہٗ" [یہ ڈھنگ عربی کے غلط نویس کاتبوں
کا ہے اور اسی سے فارسی والوں کو دھوکا ہوا اور وہ "جُزو" بولنے لگے۔]

عربی میں ہمزہ کی کتابت کے کچھ قاعدے مقرر ہیں۔ ان میں سے یہاں صرف دو کا بیان کر دینا کافی ہے:۔
(۱) اگر ہمزہ، لفظ کے آخر میں واقع ہو اور اس کا ماقبل متحرک ہو تو ماقبل کی حرکت کا ہم جنس حرف لکھ کر اس کے اوپر ہمزہ بنا دیا جائے گا، جیسے قَرَأَ، جَرُؤَ، صَدِیءَ،
[قَرَأَ کی رَ پر فتحہ تھا۔ اس لیے فتحے کا ہم جنس یا موافق حرف (الف) لکھا گیا۔ اسی طرح ضمے کا ہم جنس واو اور کسرے کی ہم جنس یے کام میں لائی گئی۔ یہ حرف گویا ہمزہ کی کرسی قرار دیے گئے ہیں۔ لکھے جاتے ہیں، پڑھے نہیں جاتے۔ آواز تینوں لفظوں میں ہمزہ ہی کی نکلتی ہے۔]
(۲) اگر ہمزہ، لفظ کے آخر میں واقع ہو، اور اس کا ماقبل ساکن ہو، تو کوئی حرف (سوا ہمزہ کے) نہ لکھا جائے گا، جیسے
جُزْءٌ، بِجُزْءٍ، اَلْجُزْءُ الْاَوَّلُ، فِی الْجُزْءِ الْاَوَّلِ، خَبْءٌ، بِیْءٌ، اَلشَّیْءُ، بِالشَّیْءِ وغیرہ،
"جُزْءٌ" کا لفظ، اس دوسرے قاعدے کے تحت میں آتا ہے، اس لیے کہ اس میں ہمزہ کا ماقبل (یعنی ز) ساکن ہے
جتنی عربی کتابوں میں (چاہے وہ نئی ہوں یا پرانی) یہ قاعدہ بیان ہوا ہے، مثالوں میں "جُزْءٌ" ضرور موجود ہے۔
پرانے ہی زمانے میں بعضے کاتبوں نے یہ غلطی کی کہ صحیح لفظ "جزء" کی جگہ "جزو" لکھنے لگے، اور ایران اور ہندوستان کے کاتبوں نے اسی غلط املا کو اختیار کیا، چنانچہ کلام مجید کے اکثر ہندوستانی نسخوں میں ہر سیپارے کے شروع میں حاشیے پر "الجزو" لکھا ہوا دیکھیے گا۔ عرب بیچارے نے اس املا کو اگر واو سے لکھ بھی دیا تھا تو تلفظ صرف ہمزہ ہی کا کرتا تھا، واو کو ادا نہ کرتا تھا۔ ایرانیوں اور ہندیوں نے واو کو اسی طرح ادا کرنا ضروری جانا جیسے عربی لفظوں "سَہو"، "لَغو"، "نَحو" میں جن میں واو اصلی ہے، اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ "جزوِ دماغ" اور "جزو بدن" اور "جُزوی" اور "جزوِ لاینفک" فارسی زبان میں جاری ہو گئے۔
صاحب بہار عجم نے "جزو" کو اضافت کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر آگے چل کے خود ہی "جزودان"، "جزوکشیدن" اور "جزوکشی" کو اپنی کتاب میں داخل کیا ہے اور سند میں ملا سعید اشرف اور ملا طاہر غنی کے شعر نقل کیے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب انہیں کے قول کے مطابق فارسی میں "جزو" کے لیے "جز" بھی بولا جاتا ہے۔ تو "جزدان" اور "جزکشی" وغیرہ بھی صحیح ہیں۔ "جزوکل" میں تو "جز" کا لفظ ہمیشہ بغیر واو کے استعمال ہوتا ہے۔ "فرہنگ شعوری" بھی ایک مستند لغت ہے۔ افسوس کہ میں اس سے

---

[1] یہ عربی کا فقرہ کچھ مہمل سا ہے۔ لفظ "اِلیٰ" بھی یہاں صحیح نہیں !!

براہ راست مستفید نہیں ہو سکتا، مگر فلرس کے فارسی لاطینی لغت میں شعوری کی عبارت کے ٹکڑے نقل ہوئے ہیں، شعوری نے "جزدان" ہی لکھا ہے اور سند میں کسی شاعر کا یہ شعر دیا ہے:۔

زجزدان بود ضائع بیقرارم　　کراوراقِ پریشاں ہرچہ دارم

خلاصہ اس سب کا یہ ہے کہ فارسی میں اضافت کی حالت میں "جزوِ بدن" وغیرہ فصیح ہیں اور "جزِ بدن" وغیرہ بھی صحیح ہیں۔ "جزدان" اور "جزودان"، "جزکشی" اور "جزوکشی" وغیرہ کی دونوں صورتیں صحیح، اس لیے کہ دونوں صورتیں اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں، جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں، "جز" فصیح ہے اور "جزو" پر ترجیح ہے۔ "جزوِ بدن" "جزوِ دماغ" وغیرہ بھی فارسی کے تتبع میں صحیح، مگر جہاں اضافت نہیں ہے، جیسے "جزدان"، "جزرسی" وغیرہ "جز" (بلا واو) کو ترجیح ہے، بلکہ "جزودان" اور "جزورسی" میں سراسر تکلف ہے۔ "جز" کو کاٹ کر "جزو" بنانا ہرگز درست نہیں۔

"جزء" اور اس کے معرّب "جز" اور "جزو" کی بحث تو ختم ہوئی، اب اس "جز" کے متعلق بھی کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں، جو "بجز" (بہ جز) میں ہے اور ٹھیٹ فارسی ہے، یہ تو اوپر آچکا ہے کہ اس لفظ کو عربی سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

اس کے فارسی الاصل ہونے کے بارے میں متاخرین کی فرہنگوں میں (سوا "غیاث" کے) کہیں کچھ ملتا نہیں، متقدمین کی مستقل فرہنگوں میں سے اکثر فرہنگ جہانگیری کا ماخذ تھیں، ان میں سب سے پرانی تین ہیں۔ (۱) فرہنگ ابوالحفص سُغدی (۲) فرہنگ اسدی طوسی (یعنی "لغت فرس") (۳) فرہنگ حکیم قطران۔ پہلی اور تیسری کا پتا نہیں، دوسری کو جرمانی مستشرق پاؤل ہورن نے ۱۸۹۷ء میں شائع کیا۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی کتاب ہے جس میں کچھ کم بارہ سو لغات درج ہیں، مگر جو سو منتخب بھی ہو گیا سو سند کے شعروں کی بدولت۔ اس کتاب میں بھی "جز" کا لفظ نہیں ملتا۔ اور کتاب کے حجم کو دیکھتے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، سغدی اور قطران نے بھی اپنے رسالوں میں غالباً اس کو درج نہ کیا ہوگا، ورنہ صاحب جہانگیری اور اور فرہنگ نگار ضرور اسے نقل کرتے۔

پرانی کتابوں میں ایک اور چیز ہے۔ جس سے فارسی کے فرہنگ نگار بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ہے زمخشری کی قابل قدر عربی فارسی فرہنگ "مقدمۃ الادب" جو ایرانیوں کے فائدے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس کی تالیف کا زمانہ اسدی کی لغت فرس کی تالیف سے کوئی پچاس برس بعد کا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس مصنف کی "المفصل فی النحو" اور "تفسیر کشاف" نے یہ شہرت پائی، اس کی "مقدمۃ الادب" کو، اور تو اور لغت نویسوں تک نے آنکھ بھر کے نہ دیکھا۔ زمخشری کی کتاب کو بھی ایک جرمانی مستشرق (ویتسٹائن) نے ۱۸۴۳-۴۴ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں عربی لفظوں کے معنی فارسی زبان میں بیان ہوئے ہیں، چنانچہ عربی لفظ "جُزْء" کے معنی "پارہ چیزے" لکھے ہیں اور جمع "اجزاء" اور عربی لفظوں "غیر" اور "سوی" کے

معنی یوں لکھے ہیں :- "دیگر، جز، بجزے دیگر"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ "دیگر، بجزے دیگر" کا مرادف "جز" ایک فارسی لفظ ہے، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ لفظ فارسی نظم و نثر کی کتابوں میں کثرت سے آیا ہے۔

لفظ کے اشتقاق کے متعلق مختصر عرض کردوں کہ پہلوی میں "جتاک" اور "جُت" کے معنی ہیں: الگ کیا ہوا۔ اور "الگ"۔ "جتاک" کا کاف فارسی میں آکر گر گیا اور تے، ذال سے بدل گئی، اس طرح وہ "جدا" اور آگے چل کر "جُدا" ہوگیا۔ "جُت" کی تے بدل کر ذال ہوئی تو "جُذ" ہوا۔ اس کے ساتھ "از" اکثر آتا تھا "جذاز"۔ ان دونوں لفظوں کے ایک ساتھ بولے جانے سے "جُذز" ہوا اور بالآخر "جز"۔ اسی چھپے ہوئے "از" کے باعث اس پر اضافت نہیں آتی اور اسی لیے اسے اسم کہنا بھی درست نہیں۔ معنوں کے لحاظ سے بھی متعلقات میں ہے، اسم نہیں۔

ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں "کو" کا استعمال

(۱) آپ نے ص ۲۱۲ پر لکھا ہے کہ ریاض و جلیل کے کلام سے مفعولی حالت میں ضمیر کے ساتھ "کو" کے استعمال کی سند دی جاسکتی ہے اور سند میں داغ کا شعر نقل کیا ہے، گذارش یہ ہے کہ میرے نزدیک نثر میں کسی لفظ یا کلمے یا اصطلاح یا محاورے کے غلط یا صحیح ہونے کے متعلق نظم سے استناد کرنا ہمیشہ صحیح نہیں، کیونکہ نظم میں وزن اور ردیف و قافیہ کی مجبوریاں لکھنے والے سے کچھ کا کچھ لکھوا دیتی ہیں چنانچہ کل داغ کا ایک شعر نظر سے گزرا :- ہاتھ جوڑے پاؤں پر ان کے گرے + پھر بھی وہ برہم ہی کے برہم رہے، ظاہر ہے کہ "برہم کے برہم ہی رہے" ہونا چاہیے تھا۔ مگر قافیے کی مجبوری نے کچھ کا کچھ کر دیا۔

(۲) ۱۵۲/۲ کی آپ نے جو تصحیح فرمائی ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے "مجھ کو"، "اس کو"، "بجھ کو" وغیرہ کو زبان سے خارج فرما دیا، یہ تو ناسخ کو بھی نہ سوجھی تھی، مجھ کو اور مجھے وغیرہ بالکل مترادف ہیں، جس مقام پر جو صورت دونوں میں سے پسند آئے، بولیے لکھیے، البتہ بعض صورتوں میں "کو" سے زیادہ وضاحت یا تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، مگر فرق اگر ہے تو ایسا خفیف کہ قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا"۔

(۳) میرے نزدیک حالت مفعولی میں "کو" کا استعمال صحیح ہے، بلکہ بعض صورتوں میں "مجھ کو"، "تجھ کو"، "مجھے"، "تجھے" سے قابل ترجیح ہو۔ مثالیں مستند نثاروں کے یہاں بے شمار ملیں گی، ان میں سے چند ملاحظہ ہوں :-

مقدمۂ حالی ص ۲۴ "سامع کا دل اس کو سن کر خوش یا متاثر ہو" ص ۱۳۹ "پھر اس کو درست کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے"۔ اردوئے معلیٰ ص ۱۳ "تم کو یاد رہے" ص ۱۵ "میاں سیاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں بھول گئے"۔ آب بقا خواجہ عبدالرؤف عشرت ص ۱۳ "ان کو اگلے جوان کہتے تھے" ص ۲۴ "مجھ کو محض عنایت سے میر منشی کا محکمہ دیا"، نظم لکھنوی رسالہ اردوئے معلیٰ جنوری ۱۹۱۲ء "اس کو استعمال کرنا درست ہے" ص ۱۱ "شعر میں بھی ان کو ممنوع کہدینا مشکل ہے"۔ (امیر مینائی، بمیغر بلگرامی، شبلی، آزاد کی بھی سندیں دی جاسکتی ہیں، دہلی کو ابھی سلام: رشتہ پر ہوا...

عالمِ ادب

(۱) بابو راجندر پرشاد نے ہندی ساہتیا سمیلن ناگپور کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا تھا، اس کے چند اقتباسات جون کے پرچے میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس بار ہم مزید اقتباسات پیش کرتے ہیں:-

ہندی کو دوسری زبانوں سے الفاظ لیکر اپنے ذخیرے کو بڑھانا چاہیے، ہندی میں عربی فارسی کے جو الفاظ رائج ہیں ان کے ابی کاٹ کی کوشش فضول ہے، ایک دوست نے "زوال" کے لیے "کھ مارجن دستہ گھنڈ" کا استعمال مناسب سمجھا تھا۔ یہ ہندی کے ساتھ ظلم ہے، ہندی کے الفاظ کے ذخیرے کی تکمیل سنسکرت سے ہو، لیکن دوسری زبانوں کے سلیس اور چھوٹے لفظ جن سے ہمارا مطلب ٹھیک نکل سکتا ہو لینے میں ہچکچانا نہیں چاہیے، آج سے ۹۲ برس پہلے راجا شیو پرشاد نے ہندوستانی کی نیو ڈالی تھی، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں" پنڈت لوگ سوچتے ہیں کہ جتنے اصلی سنسکرت شبد (چاہے وہ سمجھ میں آئیں چاہے نہیں) لکھے جائیں اتنی ہی ان کی ناموری کا سبب ہے، اور اسی طرح مولوی لوگ فارسی اور عربی شبدوں کے لیے، غرض پل بنانے کے بدلے دونوں خندق کو گہرا اور چوڑا کرتے جا رہے ہیں"۔ ہم ابھی تک اس خرابی کو جانتے ہوئے بھی اس خندق کو گہرا ہی کرتے جاتے ہیں، ہندی کے ایک مصنف اجودھیا سنگھ جی اُپادھیا نے لکھا ہے:-

رو یو دیاں پر پھلا پر ایکا لیکا رو کند و دبھا نتا + شنو گی کلھا سنی سر سکا کر یڈا کلا تپلی + شو بھا واری دمی کی امو لیا نی سی لا دینہ لیلا میا ئی + شری راد ھا مُر د و بھا شنی مر گد گی ا د موریہ سنو رتی بھتیں + کہنا و نیا دتا دو نا موہ گمنا ملینا + آسا تھی نکٹ پتی کے مبو ختیر ا الیشو دھا۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے:- ایک دُنیا سے اٹھا ہے چاہتا + اور ہے اٹھتی جوانی ایک کی + چاند اور سورج گگن میں گھومتے ہیں رات دن + اُردو والوں میں سر محمد اقبال، جو سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا، دُنیا کی محفلوں سے گھبرا گیا ہوں یارب اور نیا شوالا کی سی نظموں کے مصنف تھے، خیالات کے تغیر کے بعد ایسی مشکل نظم لکھنے لگے جیسے" اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے، جم اور + ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور- جہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ فارسی عربی لفظوں کے بائیکاٹ سے ہم مسلمانوں کے لیے ہندی کو بہت مشکل تو نہیں بناتے ہیں، وہیں یہ لحاظ بھی رکھنا چاہیے کہ صرف فارسی عربی کے لفظوں کو لے کر اور سنسکرت کا بائیکاٹ کر کے گجراتی، مرہٹی، آسامی تامل، ملیالم وغیرہ کے بولنے والوں کے لیے ہندی کا سمجھنا دشوار نہ ہو جائے، ہم نہ گجرات، مہاراشٹر، آسام وغیرہ کو چھوڑ سکتے ہیں نہ شمالی ہند کے مسلمانوں سے الگ ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کے متعلق ہماری روش یہ ہونی چاہیے کہ (۱) جو لفظ عربی فارسی کے ہندی میں رائج ہیں انہیں خارج نہ کیا جائے (۲) عربی فارسی کے جو الفاظ گجراتی، مرہٹی، بنگلہ، پنجابی اور دکن کی زبانوں میں آ گئے ہیں اور ان کے ٹھیک ہم معنی لفظ ہندی میں نہیں ملتے انہیں بھی لے لیا جائے (۳) ان کے علاوہ ایسے نئے لفظ جو نئے مطالب کو ادا کرتے ہیں ان کو لینے میں بھی تامل کرنا نہیں چاہیے، ایک بہت چھوٹا لفظ "شرط" ہے جسے سب سمجھتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ

اس کی جگہ سنسکرت کا کوئی لفظ کھوج کر نکالا جائے، کچہریوں میں محکمہ مال اور حکومت سے متعلق بہتیرے لفظ ہندوستان کی سب زبانوں میں رائج ہیں اگر ان کے ہم معنی لفظ ہندی میں رائج نہیں تو سنسکرت کے لفظ دھرم شاستر سے نکال کر ان کی جگہ استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں (۴) انگریزی کے بہت سے لفظ رائج ہیں، انہیں رہنے دینا چاہیے، ٹرین کی جگہ "لوہ پتھ چلت داشن یان" اور پلیٹ فارم کی جگہ "لوہ پتھ چلت داشن یان سنتھاپن ستھل" "ٹکٹ کی جگہ" مولیا پتر" کا کہنے کی ضرورت نہیں (۵) صوبے کی زبانوں میں ایسے بہت سے لفظ ہیں۔ جو آج کل ہندی میں رائج نہیں ہیں، انہیں "لاگو" "اچالو" "باذو" کی طرح ہندی میں داخل کرنا چاہیے (۶) علمی اصطلاحات ہندوستان کی کل زبانوں کے لیے ایک ہوں تو بہتر ہے۔ جیسے کونسلوں کے لیے "دھارا سبھا"، "دیوستھاپکا سبھا" (۷) گاؤں کی بولی میں ہمیں بہت سے الفاظ ملیں گے جن کے ٹھیک ہم معنی الفاظ ہندی اور سنسکرت میں نہیں ملتے، گریرسن نے اپنی کتاب بہار ریورل لائف میں چرخے کے ہر ایک حصے کا نام دیا ہے، گاؤں کی زبان میں نئے لفظ گڑھنے کی اچھی طاقت ہے۔ موٹر کار کے لیے ہوا گاڑی، بائیسکل کے لیے پیر گاڑی، ماچس کے لیے دیاسلائی، ریلوے سگنل کے لیے سکندر۔ لوف کے لیے پاؤ روٹی کتنے اچھے لفظ ہیں۔ اسم سے فعل اور فعل سے اسم بنا لینے کی طاقت جو گاؤں کی بولی میں ہے، کتابی زبان میں نہیں، لوٹنے سے لوٹاس، بینے سے بکواس، صابن سے صیونانا۔ مٹی سے مٹیانا، پانی سے پنی آنا، غصے سے غصانا۔ دھکے سے دھکیانا۔ نرم سے نرمانا، گھن سے گھنانا، ایسے ہی الفاظ ہیں۔ ہمارے یہاں کے بھی کچھ استادوں سے ایسی کوشش کی ہے۔ "اور جو ہاری سوامی کی نیندتی ہے" (پنڈت سدل مصر) "عرب کا اونٹ کس طرح جگالتا ہے" (پنڈت پدم سنگھ شرما) نند اسے نیندتا جگالی سے جگالتا بنا لیا ہے لیکن ایسی کوشش بہت کم ہوئی ہے۔

جو لوگ ہندی نہیں جانتے، انہیں تین چار باتوں کی وجہ سے بڑی مشکل پڑتی ہے (۱) ایک تو تانیث و تذکیر، اس میں بڑا جھگڑا ہے، بڑے بڑے لکھنے والے بھی دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے لفظ "ادر" عام طور پر مونث مانا جاتا ہے لیکن ہندی کے ایک بڑے مصنف نے اسے مذکر لکھا ہے، نئے لفظوں کے لیے کوئی قاعدہ مقرر نہیں، کونین، لالٹین، موٹر، کانگریس اور کانفرنس کیوں مونث بنا دیے گئے ہیں، اردو کے لفظ قلم اور چرچا ہندی میں کیوں مونث ہو گئے، یہ کہنا کافی نہیں کہ ان کے ہم معنی لفظ سبھا، کمیٹی، اور لیکھنی وغیرہ مونث ہیں، اور نہ سنسکرت کی سند پر ان لفظوں کی تذکیر و تانیث مقرر کی جا سکتی ہے، اگنی، آتما اور پستک سنسکرت میں مذکر ہیں، لیکن یہ ہندی میں مونث ہیں، بے جان لفظوں کے لیے موزوں اور سہل قاعدے بنانے کی ضرورت ہے (۲) "نے" کے استعمال میں بھی بڑی مشکل پڑتی ہے، پنجاب میں "نے" کا استعمال الگ ہے اور ہندی لکھنے والے سمجھتے اور جانتے ہیں (۳) بڑی مشکل اس میں بھی ہے کہ کب فعل کی جمع کام کے مطابق ہو اور کب کام کرنے والے کے مطابق پنڈت جواہر پرشاد جی شرما کا ایک جملہ ہے "انہوں نے پہلے تو ہاں ہوں کی" اس میں مونث فعل کے لیے کون سا مونث کام ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا (۴) ایک ہی لفظ کئی طرح سے لکھا جاتا ہے۔ اس میں بھی بڑی دشواری پیدا ہوتی ہے؛

مطبوعاتِ جدیدہ

(۱) دیوان تاباں۔ از ق ع د

(۲) کلیم عجم از ؟

(۱) دیوان تاباں، مصنفہ میر عبدالحی تاباں و مرتبہ عبدالحق صاحب سلسلۂ انجمن ترقی اردو ص ۴ + ۲۰۶ قیمت مجلد ۲؎ غیر مجلد ۱۲؎۔

انجمن کی اکثر مطبوعات کی طرح یہ کتاب بھی حسن ظاہر سے بہرہ وافر رکھتی ہے، اس لئے محاسن معنوی کے متعلق ہم اپنی مفصل رائے درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) دیوان تاباں کے قلمی اور مطبوعہ نسخے جو اس وقت موجود ہیں حسب ذیل ہیں:۔ قلمی نسخہ ق مملوکہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مدراس یونیورسٹی، ق مملوکہ انجمن، ن مملوکہ جناب کیفی، ق مملوکہ مسٹر رام، ق مملوکہ وزیر علی صاحب حیدرآباد، ق مملوکہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد، ق مملوکہ کتبخانہ مدرسہ حیدرآباد، ق مملوکہ نواب سالار جنگ، انتخاب دیوان از نواب عماد الملک مطبوعہ ۱۸۹۲ء نسخہ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۹ ف ۔ یہ نسخہ پانچویں چھٹے اور نویں نسخوں پر مبنی ہے۔ انجمن کا شائع کردہ نسخہ پہلے دوسرے تیسرے نسخوں پر مبنی ہے۔

دیباچے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ متن کی درستی کس اصول کی بنا پر کی گئی ہے۔ بظاہر کسی ایک نسخے کو اصل قرار دیا ہے، زائد اشعار جو دوسرے نسخوں میں ملے ہیں، انہیں بھی متن میں شامل کر لیا ہے۔ الفاظ کا اختلاف حواشی میں دکھایا ہے، لیکن اس کی تفصیل سے احتراز کیا ہے کہ کون سے الفاظ کس نسخے میں ہیں، قلمی نسخوں کے سنین کتابت بھی نہیں دیے، اس قسم کی کتابیں آیندہ جو شائع ہونگی ان میں ان دو باتوں کا خیال رکھا جائے تو بہتر ہے ایک تو یہ ہے کہ ان قلمی نسخوں کے متعلق جن پر کتاب کا متن مبنی ہے مفصل اطلاعات فراہم کی جائیں، دوسرے یہ کہ اختلافات یا تو دکھائے نہ جائیں یا اگر دکھائے جائیں تو یہ ضرور بتایا جائے کہ کس نسخہ میں کس طرح ہے۔

(۲) یہ نسخہ جتنا چاہیے، اتنا صحیح نہیں، لیکن دوسرے اداروں سے جو کتابیں نکلتی رہتی ہیں، ان کے مقابلے میں زیادہ غلط بھی نہیں، تاہم انجمن کو آیندہ صحت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے،

(۳) دیوان کی جامعیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں (جس کے متعلق اس کے مرتب کا دعویٰ ہے کہ کل کلام پر حاوی ہے) کل ۹۵۵، اشعار ہیں، اور اس کے نسخے میں ۲۶۹۴، بڑی تلاش سے ہمیں چند اشعار ایسے ملے ہیں۔ جو اس میں موجود نہیں۔ یہ اشعار ص ۳۰۵ پر درج ہیں۔

(۴) الحاقی کلام اس میں بہت کم داخل ہے۔ اس قسم کے کل اشعار ہم نے تبصرے کے آخر میں نقل کر دیے ہیں۔

(۵) مصنف کے حالات دیباچے میں موجود ہیں، لیکن زیادہ تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں ہم ان کا بیان ہے کہ عین عالمِ شباب میں انتقال کیا۔ ہماری رائے میں موت کے وقت ۳۵ برس سے کم کی عمر نہ تھی۔ فاضل مرتب کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ جو مثنوی دیوان کے ص ۵۰ پر شروع ہوتی ہے، وہ عمدۃ الملک امیر خان کی مدح میں ہے۔ یہ مثنوی عمدۃ الملک کے قتل کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عمدۃ الملک کے باغ اور جشنِ ہولی کا ذکر اس میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن تاباں کا اصلی ممدوح عنایت اللہ کشمیری ہے، جس کے یہ رفیق تھے۔

تصحیح اغلاط

۲/۲ ہی ظالم = بے ظالم۔ اس قسم کی غلطیاں اور بھی ہیں، جن میں سے اکثر نظر انداز کر دی گئیں، ۱۲/۱۰ کوہ بیاباں = کوہ و بیاباں، ۱۳/۴ پہ اتنا = پر اتنا، ۱۵/۴ بے تس پہ = بے تس پر، ۲۲/۵ تمہارے لال = تمہارے لعل، ۲۵/۵ حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ میکدے میں شیخ = بتکدے، ح کے علاوہ تذکروں میں بھی بتکدے ہی ہے، میکدے صریحاً غلط ہے، ۲۸/۴ یاقوت لب ترا ہوا کیوں خط سے جرم وار = دار؟ ۳۲/۶ آرزو ہے کہ ترے غم سے بیاباں میں پھروں　　اور ہوا بُلا کو ترے خار نصیب = مرے ۳۴/۵ سخن کے بحر میں آکے　　مری　　کشتی تباہی تھی کنارے آلگی جب سے ہوا تو ناخدا حشمت = آگے ح کے علاوہ اور جگہ بھی اسی طرح ہے، آکے سے کوئی مطلب نہیں نکلتا، ۴۶/۱۰ نہ دلیں واحد غزا = غیرا، ۴۹/۷ شمع رو کے گرد پھرتی ہیں سدا قربان ہو + چشم میری پر لگا مژگاں کے پروانے کی طرح = پھرتے، میرے تاباں کی زبان پر لفظ چشم مذکر، مونث دونوں ہے فعل جمع کی رعایت سے اس شعر میں مذکر پڑھنا بہتر ہوگا، ۵۰/۹ تسیں = تس میں ۵۱/۹ جاں لب ہی غم میں تیرے ساغر و صہبا کی طرح = ساغرِ صہباح، ۵۴/۹ ملو ہوں = ملوں ہوں، ۵۵/۲ بے سبب نہیں تندی بو گل میں اگر باغ میں میرے گل رو کے عرق منھ سے ٹپکتا ہے گر = اگر ۶۱/۴ جھیل کر = جھیل کر ۶۲/۴ مت رکھ امید یہ کر دنگا جہاں کی سیر + لے بیخبر سمجھ تو غنیمت جہاں کی سیر = جہاں دونوں مصرعوں کا قافیہ نہیں ہو سکتا، دوسرے میں اگر جہاں پڑھا جائے تو یہ قباحت دور ہو جاتی ہے، ۶۳/۸ گرِ شاعر آسماں ہیں زمینِ غزل کے سب تاباں کو فکر شعر میں ہے آسماں کی سیر = گو؟ ۶۳/۴ جو دربا دل کے تئیں اور پھر نہ دل داری کرے　　رہتا ہوں بیدل اسی سے میں اس دلربا سے کیا غرض ہے جو دلربا لے دل کے تئیں ۶۶/۵ ہے کس کے شکِ حسن سے یوں سوگوار شمع　　کیوں اس طرح سے روتی ہے بے اختیار شمع = ہو ع ۶۷/۸ روتی ہے بس کہ غم میں ترے زار زار شمع = مرے ح، کس کا غم، معشوق کا یا عاشق کا؟ ۸۸/۹ حیا کی طرف = طرح، ۹۰/۴ اور دیوانے مرے شور سے چھپ جاویں گے مجھ سے　　مجنوں کو لیجا یو زنداں کی طرف = چھپ، بمعنی چھپ بمعنی شرما جاویں گے، چھپ جانے کی تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ۹۲/۵ ایسا کہاں

حباب کوئی جہنم ترے کیے ہم = کرے، ۹۲/۲ ایسا نہیں ہو زیب کوئی گھر گھر کو ہم + ایسا نہیں خراب کوئی دربدر کہ ہم = عزیز،
تم رح کے علاوہ کسی تذکرے میں بھی اسی طرح ہے۔ ۹۹/۴ تذرِ اس کر دیا اپنی سلامتی کے تئیں، اس کی کر دیا ۹۹/۵ پنجے میں جو پنجے ہو
لعل کا مسیحا بنایا ہے گل مخمل نہیں = جیغہ مخمل، حاشیے میں میغا کی جگہ جیغا اور مخمل کی جگہ مخمل لکھا ہے، میغا اور جیغا دونوں غلط
ہیں، اور مخمل حقیقی اختلاف نہیں بلکہ کاتب کا پیدا کردہ ہے، ۱۰۰/۱ آرزو ہے مرے تاباں کو بھی اے قاتل = بھی ۱۰۰/۱ تیری
انکھیں بری ہی پیاری ہیں = ح میں بڑی ہے، جو بری اور بڑی سے صحیح تر معلوم ہوتا ہے، ۱۰۲/۲ اس
ہوائی ابر میں ہے خاک جینا ہے بغیر = ہوا و ابر، ۱۰۳/۱ اپنے لب سے ایک بوسہ دے تو میں جیتا ہو جاؤں = ہوں جان؛
۱۰۴/۱ ساغر و صہبا = ساغر صہبا، ۱۰۴/۲ خط ہے یا یہ مصحف رخ کی ترے تصویر ہے = تفسیر ۱۰۶/۱ نیند سے
اٹھ کے مسیحا ساقی = مسیحا، ۱۰۷/۴ کرے تو کس طرح تاباں غلط الفاظ معنی میں ہو = مصرع جہاں دیکھا گیا اسی طرح
پایا گیا لیکن، الفاظ اور معنی کے درمیان واو عطف ضروری معلوم ہوتا ہے، ۱۰۸/۵ جس طرح ترے غم میں دن
کاٹتے ہیں بھاری، رتے ہی گزرتی ہے یہ رات مجھے بھاری = ساری، ۱۰۹/۱ جو بلبل گئی اب کے تاباں چمن میں　تو حق
اپنے ہیں کانٹے پھر ہوئیگی = میں فاضل ہے۔ ۱۱۲/۹ ظالم وفا مری کو تو لیتا ہے کیا حساب　اتنی جفا و ظلم کا بھی ہے شمار
شمار ہے = یہ شعر سوا نسخۂ انجمن کے جہاں دیکھا گیا، اسی طرح دیکھا گیا، ظالم مری وفا کا الخ　اپنی جفا و ظلم کا بھی الخ
۱۱۴/۵ ابرو کا اس کے وصف تکلف سے گر کروں　تاباں تو دیکھیو نہ کوئی تیغ سی مجھے = جب تاباں کے مقام تعین
کا شعر ہے = جو لوہا جس نہ تیرے اس کو لگانا ہاتھ کیا حاصل　بہت کی تو نے اس تیشے کی خدمت کوہکن بس کر
۱۱۶/۴ نام فردوس کا سنتے ہو سے سب باتیں ہیں = ہو یہ سب ۱۱۹/۲ ہی گرتے ہیں گرتی ہے صدا چینی یہ فغفوری کا سد
۱۱۹/۱ بھر بھر پیالیوں کے نے زور وے پڑے = زور ہ ۱۱۹/۲ کیا کروں یار ہوا جا کے ہیں اس کا قاتل اب تو تاباں
مرے سن جی کے اپر آن پڑی = کے میں اس قاتل کا ۱۱۹/۲ ہم مان مان آتے ہیں پر ان کی منتیں ساجن اگر ملے تو نیاز ان
چڑھائیے = پیر ان، ۱۱۹/۴ لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا نہیں وہ سے کیا قدرت تذکرہ حسن، ۲۰۰/۱ حسن کی گرمی سے
اپنی آپ تپ کرتا ہے وہ = آپ ۲۰۰/۲ قہر سے مدام اس کو ہے شوق عوض مے کے تاباں جو کوئی بھیگا اس دور میں
بنیادی = بنیاد دل؟ اس شعر میں اگر کوئی تلمیح نہیں تو بنیاد دل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بنیادی سے کوئی مطلب نہیں
نکلتا، ۲۰۶/۲ کیوں نہ لڑکے اس کے تئیں تیر کہیں　شیخ تو رکھتا ہے ڈاڑی گزبڑی = لیکن تو ڈاڑی صحیح املا نہیں،
دوسرے لفظ گزبڑی نہیں گربڑی ہے (سرمایۂ اردو جلال) ص ۲۱۱ س ۱۰ اب تو کی جاتی نہیں اہل دل
کی منتیں = تیں، ۲۱۷ سطر ۶ ہوتی نہیں مجھ کو اس ایج سے تنگ فرصت = ہوتی ہی نہیں ۲۲ س ۳ و ۴ اسی آئینہ روبن ہے
مجھے اس طرح بے تابی کہ جو سیماب اسی آب ہوتے حرم آبی = جوں سیماب پا بے آب ۲۲۵ س آ غور دیک اپنے تو بھی ہیں
سے خرچ کم کروں = لے ۲۲۵/۵ یم تن زر کے لے ربط ہوا گھوتا ہے = مرا ۲۳۶ س ۱۵ ہتیا ہوں سے اپنے دہر کے

(۴) الحاقی کلام اس میں بہت کم داخل ہے۔ اس قسم کے کل اشعار ہم نے تبصرے کے آخر میں نقل کر دیے ہیں۔

(۵) مصنف کے حالات دیباچے میں موجود ہیں، لیکن زیادہ تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں ہیں ان کا بیان ہے کہ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ ہماری رائے میں موت کے وقت ۲۵ برس سے کم کی عمر نہ تھی۔ فاضل مرتب کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ جو مثنوی دیوان کے ص ۵۰ پر شروع ہوتی ہے، وہ عمدۃ الملک امیر خان کی مدح میں ہے؛ یہ مثنوی عمدۃ الملک کے قتل کے بعد لکھی گئی ہے، اس میں شک نہیں کہ عمدۃ الملک کے باغ اور جشن ہولی کا ذکر اس میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن تاباں کا اصلی ممدوح عنایت اللہ کشمیری ہے، جس کے یہ رفیق تھے۔

تصحیح اغلاط

۲/۴ ہی ظالم = بے ظالم۔ اس قسم کی غلطیاں اور بھی ہیں، جن میں سے اکثر نظر انداز کر دی گئیں، ۱۳/۱۰ کوہ بیاباں = کوہ و بیاباں، ۶/۴ پہ اتنا = پر اتنا، ۱۵/۴ بے تس پہ = بے تس پر، ۲۲/۵ تمہارے لال = تمہارے لعل، ۲۵/۶ حرم کو چھوڑ، روں کیوں نہ میکدے میں شیخ = بتکدے، ح کے علاوہ تذکروں میں بھی بتکدے ہی ہے، میکدے صریحاً غلط ہے، ۲۹/۴ یاقوت لب ترا ہوا کیوں خط سے جرم وار = دار؟ ۳۲/۷ آرزو ہے کہ ترے غم سے بیاباں میں پھروں　اور ہوا پاؤں کو ترے خار نصیب = مرے ۳۶/۵ سخن کے بحر میں آکے　مری　کشتی تباہی تھی کنارے آ لگی جب سے ہوا تو ناخدا احسنت = آ گئے ح کے علاوہ اور جگہ بھی اسی طرح ہے، آکے سے کوئی مطلب نہیں نکلتا، ۴۶/۱۰ شد لیس واحد غرا = غیرا، ۴۹/۷ شمع رو کے گرد پھرتی ہیں سدا قربان ہو + چشم میری پر لگا مژگاں کے پروانے کی طرح = پھرتے، میرے تاباں کی زبان پر لفظ چشم مذکر، مؤنث دونوں ہے، فعل جمع کی رعایت سے اس شعر میں مذکر پڑھنا بہتر ہوگا، ۵۰/۹ تسیں = تس میں ۱۵/۶ جاں لب ہی غم میں تیرے ساغر و صہبا کی طرح = ساغر صہباح، ۵۴/۹ ملو ہوں = ملوں ہوں، ۵۵/۲ بے سبب نہیں تندی بو گل میں اکثر باغ میں میرے گل رو کے عرق منہ سے نچوڑا ہے گر = آکر ۶۱/۲ جھیل کر = جھیل کر ۶۲/۴ مت رکھ امید یہ کر دنگا جہاں کی سیر + لے بیخبر سمجھ تو غنیمت جہاں کی سیر = جہاں دونوں مصرعوں کا قافیہ نہیں ہو سکتا، دوسرے میں اگر یہاں پڑھا جائے تو یہ قباحت دور ہو جاتی ہے، ۶۳/۸ گرے گر شاعر آسماں میں زمین غزل کے سب تاباں کو فکر شعر میں ہے آسماں کی سیر = گو؟ ۶۳/۴ جو دلربا دل کے تئیں اور پھر نہ دل داری کرے　رہتا ہوں بیدل اسی سے میں اس دلربا سے کیا غرض ہے جو دلربا ہے دل کے تئیں ۶۶/۵ ہے کس کے شک حسن سے یوں سوگوار شمع　کیوں اس طرح سے روتی ہے بے اختیار شمع = ہو ع ۶۶/۸ روتی ہے بس کہ غم میں ترے زار زار شمع = مرے ح، کس کا غم، معشوق کا یا عاشق کا؟ ۶۶/۸ حیا کی طرف = طرح، ۶۸/۴ اور دیوانے مرے شور سے چھپ جاویں گے مجھ سے　مجنوں کو زنجیر کیا یو زنداں کی طرف = چھپ، مختف چھپ یعنی تڑا جاویں گے، چھپ جانے کی تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ۷۲/۹ ایسا کہاں

حباب کوئی انجم ترکے ہم = کرہ، ۹۵/۴ ایسا نہیں غریب کوئی گھر گھر کو ہم + ایسا نہیں خراب کوئی دربدر کہ ہم = عزیز، تم، ح کے علاوہ کسی تذکرے میں بھی اسی طرح ہے۔ ۹۹/۴ تذر اس کر دیا اپنی سلمانی کے تئیں = اس کی کر دیا ۹۹/۵ پنجے میں جو پنجے بو لعل کا میسیا بنایا ہے گل مجمل نیس = جیغہ مجمل، حاشیے میں جیغا کی جگہ جیغا اور مجمل کی جگہ مخمل لکھا ہے۔ میغا اور جیغا دونوں غلط ہیں، اور مجمل حقیقی اختلاف نہیں بلکہ کاتب کا پیدا کردہ ہے، ۱۰۰/۱ آرزو ہے مرے تاباں کو بھی اے قاتل = بھی ۱۰۰/۱ تیری انکھیں بری ہی پیاری ہیں = ح میں بڑی ہے، جو بری اور بڑی سے صحیح تر معلوم ہوتا ہے، ۱۰۱/۲ اس ہوائی ابر میں ہے خاک جینا ہے بغیر = ہوا و ابر، ۱۰۲/۱ اپنے لب سے ایک بوسہ دے تو میں جیتا ہو جاؤں = ہوں جان؟ ۱۰۳/۱ ساغر و صہبا = ساغر صہبا، ۱۰۴/۲ خط ہے یا یہ مصحف رُخ کی ترے تصویر ہے = تفسیر ۱۰۶/۱ نیند سے اُٹھ کے مسیا ساقی = رہسا، ۱۰۶/۳ کرے تو کس طرح تاباں غلط الفاظ سمجھی میں اور = مصرع جہاں دیکھا گیا اسی طرح پایا گیا لیکن، الفاظ اور معنی کے درمیان واو عطف ضروری معلوم ہوتا ہے، ۱۰۵/۵ جس طرح ترے غم میں دن کاٹتے ہیں بھاری، روتے ہی گزرتی ہے یہ رات مجھے بھاری = ساری، ۱۰۷/۱ جو بلبل گئی اب کے تاباں چمن میں تو حق اپنے ہیں کانٹے پھر ہوئیگی = میں خاطر ہے۔ ۱۰۸/۲ ظالم وفا مری کو تو لیتا ہے کیا حساب اتنی جفا ظلم کا بھی رنج شمار ہے = یہ شعر سوا نسخۂ انجمن کے جہاں دیکھا گیا، اسی طرح دیکھا گیا، ظالم مری وفا کا رنج اپنی جفا ظلم کا بھی رنج ۱۰۹/۱ ابرو کا اس کے وصف تکلف سے گر کروں تاباں تو دیجیو نہ کوئی تیغ حس مجھے = جب تاباں کے سامنے تعین کا شعر ہے۔ = جو لوہا جس نے اس کو لگانا ہاتھ کیا حاصل بہت کی تو نے اس تیشے کی خدمت کو وکن بس کر ۱۱۰/۱ نام فرزیں کا سنتے ہوئے سب باتیں ہیں = ہو یہ سب ۱۱۱/۲ ہی گرنے ہی کرتی ہے میدا جینی یہ نغفوری وسد ۱۱۲/۱ بھر بھر پیالیوں کے نے زور وے پڑے = زور؟ ۱۱۴/۲ کیا کروں یار ہوا جاکے ہیں اس کا قاتل اب تو تاباں مرے سر بھی کے ابر آن پی = کے میں اس قاتل کا ؟ ۱۱۴/۲ ہم مان مان گئے ہیں پران کی منتیں ساجن اگر ملے تو نیاز اس چڑھائیے = پیر اس، ۱۱۵/۴ لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا نہیں = وے کیا قدرت تذکرہ حسن، ۱۲۰/۱ حسن کی گرمی سے اپنی آب تپ کرتا ہے وہ = آپ ۱۲۱/۲ قہر سے مدام اس کو ہے شوق عوض مے کے تاباں جو کوئی بھیگا اس دور میں بنیادی = بنیاد دل؟ اس شعر میں اگر کوئی تلمیح نہیں تو بنیاد دل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بنیادی سے کوئی مطلب نہیں نکلتا، ۱۲۲/۲ کیوں نہ لڑکے اس کے تئیں تیر کہیں شیخ تو رکھتا ہے ڈاڑی گزبڑی = لیکن تو ڈاڑی صحیح املا نہیں، دوسرے لفظ گزبڑی نہیں گزبڑی ہے (سرمایۂ اردو جلال) ص ۲۱۱ س ۱۰، اب تو کی جاتی نہیں اہل دل کی منتیں = تین، ۲۱۷ سطر ۶ ہوتی نہیں مجھ کو اس رنج سے تنک فرصت = ہوتی ہی نہیں ۲۲۲ س ۳ و ۴ اس آئینہ رو بن ہے مجھے اس طرح بے تابی کہ جو سیماب اس آب ہو ہے حرزِ دم آبی = جوں سیماب یا بے آب ۲۲۵ س آخر نزدیک اپنے تو بھی میں سے خرچ کم کروں = لے ۲۲۵/۵ یہ تن زر کے لئے ربط ملا کھوتا ہے = مرا ۲۲۶ س ۱۵ ہنتا ہوں سے اپنے دبر کے

کے ہمراہ = پیتے ہیں مے ہم ؟ ۲۶۰ س ۱۹ بوسے بھی دیتا ہے ہر لحظہ ۲۰۰ = دے ہے یاد دیتا ہے بوسہ س ۹ بھڑکی اس وقت الفت کی آتش = بھڑکی ہے ، ۲۲۰ س ۲ ناصح کی جو ہم کو بھاتی نہیں پند = جو فاضل ۲۳۰ س ۵ کہتا تھا وہ ہم کو سمجھا کے ہر چند = وہ فاضل ، ۲۲۷ س ۶ تھے میکدے سے بھی ہم بس کہ خورسند = ہم فاضل س ۹ گئی جانے آئی ہے کیسی یہ آفت = یہ فاضل ص ، ۲۲۷ س ۱۱ نہیں غم سے یک لحظہ ہم کو فراغت = دم س ۱۵ ، آیا ہے گلشن میں تو ہوکے بدمست = آئے ہو گلشن میں ہو کے ، ۲۳۸ س ۱۲ ہم مے کدہ گئے ہیں مدت سے ساجد ہم شیشۂ مے کو رکھتے ہیں شاہد = ہیں مے کدے کے کو فاضل س ، خوباں کے ملنے کو تاباں تو کر کم = خوباں کا ملنا ص ۲۳۶ تا ۲۳۰ تک حافظ کی ایک غزل کی تضمین ہے ، ہر کثرت مصرعے بحر سے خارج ہیں ۔ اگر کاتب کی غلطی نہیں تو مصنف کی غلطی ہے ، لیکن ایک مشاق شاعر سے ایسی غلطی کا ارتکاب قرین قیاس نہیں) ۲۴۹ س ۵ جنوں کا دست ہوا دشمنی شعور ہوا = دشمن ۲۶۰ س ۴ وہ اہل سخن ہیچ ہے بادشاہ = بادشا ، ۲۶۶ س ۸ کوئی شغل نوارہ کرتا تھا حسرت = کرتا تھا ، ۲۶۰ بروئے ہو جرح کھاتے تھے دال = ہوا ، ۲۷۰ س ۱۱ یہ ساقی ہو اور مے ہر اور ہو بہار = ہو ۲۷۴ س ۸ قطع ہر بار کی محبت کی = یار کے یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا = جھپکا ج ۱۹/۵ اپنے کیوں کسی کے ساتھ دل اپنا لگائیے ہر بیوفا ہے کا ہے کو عاشق کہائیے = کیوں ہر کسی ، کے چمنستان شعرا ص ۲۹۲ ص ۲۶۶ بجاتا تھا جب وہ گر ہولی کی دھوم = کر

یہ اشعار دیوان میں نامکمل درج ہیں ۔

۵۶/۵ پڑھتا ہے دیکھو آیت فاتو بسورۃ (دوسرا مصرع نہیں ہے ہوا تراق فیہ گھمنڈ ردیف) ۵۲/۲ لحظ سادہ ڈیوں ...... ہو کیونکر کہ ہو جاتا ہے آخر کے تئیں ردی لکھا کا عد ۹۳/۲ مدام ہی مشک مژگان یار ہے لیکن نہ اس قدر ہے خستہ جگر کہ ہم ۱۶۲/۵ دل لگا جب یار سے سب صبر اور طاقت کہاں (دوسرا مصرع نہیں ۔ بھلائیے جائیے قافیہ ۱۹۳ نار تو شعلہ کو کبوتر لے اڑے پر جل اٹھے جو اس کی گلی کی طرف مڑے ۱۹۵ اس سے مل خواب میں جب میں نے کہا ۔ .. کم اس عیش کا اسباب کہیں ہوتا ہے تو بھی کئی شعر نامکمل ہیں ۔ ص ۲۶۵ زمیں سے فلک لگ ص ۲۶۶ کوئی باد و دیتا تھا ... کوئی خرچ کرتا تھا نٹ بدیا (باد کی جگہ یاد ہوگا) ۲۶۷ تھی خوشبوئے ...... بجائے ہوا

مشکوک اشعار یا مصرعے

۱۲/۵ دیوان ہمارا غور سے تاباں تو دیکھ تو (دیکھ تو کی جگہ دیکھیو ہو سکتا ہے ۔)
۶/۹ مجھیلا دیکھ سب کے مذہب کا (حاشیے میں مجمل ہے اور متن میں بھی مجھیلا کاتب کی غلطی تو نہیں ؟) ۲۰/۵ بجا نہیں ہمارا یہ ڈاہ مار رونا (حاشیہ دھاڑ ، متن ڈاہ) ڈاہ کہیں کاتب کی غلطی تو نہیں ؟) ۲۶ جو یار آیا تو میں دو ننگا رکھائی

تم اے آنکھیوں مری مت پھوٹ بہنا

۳۸/۴ نگہ کی تیغ کی کس کو جرأت ہے کہ ٹھیرا دے   ترے سنمکھ ہو عاشق ہی بچا سکتا ہے کیا قدرت ۴۲/۹
شرم سے سر دھلکت ہوکے زمیں میں گڑ جائے (حاشیے اور ح میں خجل ہے، نھلکت کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔
۵۲/۴ آتا ہے جی میں میں کہ کروں اب وفا کو ترک، ۶۲/۹ دست عدم میں پارۂ دیوانگی ہے ہائے   بجز بن مجھے بتا کر
کروں میں کہاں کی سیر ۶۲/۷ کوئی پیدا نہ ہوا قاتل و کفار ہنوز   ہر سرو بن میں مالا سی ہے زنار ہنوز (قاتل کفار
قاتل و کفار کی جگہ، دوسرا مصرع غیر موزوں ہے، گو مطلب ظاہر ہے) ۹۲/۱۰ چاک کرتا ہوں گریباں کو میں ہر تار
ہنوز (کو یا کیا؟) ۶۲/۴ کہنے کو مرے دل کے سن اے گلشن خوبی گر ہے تو ترے گو ہے یہ فردوس بیمردمی ۱۷/۴
برات سے عاشق کو ترے روز قیامت   ہر روز جدائی میں اسے ہو ہے جیسی ۲/۷ جہاں ہو عاشق و معشوق
مثل حسن اور عشق زیادہ چاہیے باہم ہو دم بدم اخلاص ۹/۷ سن خبر صیاد کی جس وقت گھبراتی ہیں دیں دیکھ کر
ہنستا ہے گل تب عندلیباں کی طرف (ح میں دیں کی جگہ وہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دیں کوئی لفظ بھی ہے ۹۴/۴
دیکھیے کیا کیا کر گیا اب مرا انجام عشق (حاشیے انجام، ح انجام انتمام غالباً غلط کاتب) ۱۰۴/۹ جو تری آنکھوں
میں ہے کیفیت اے ساقی بہار   ایسی کم ہوتی ہے کیفیت شراب ناب میں (شعر موزوں ہے، لیکن یا تو مصرع اول
میں لفظ بہار یا مصرع دوم میں لفظ کیفیت فاضل ہے) ۱۰۱/۴ زعفران کی آنگی سے جامن کے تئیں ڈسادن اٹھتی ہے
لہرایاں اگر یہ میرے تن میں ۱۱۹/۴ یا پھرے اگلے اس سے دل میرا عشق کا نام پھر نہ لوں ہاں (ہاں کی جگہ گر بہتر ہوگا)
۱۸۰/۵ بولی چلی قفس میں دعوائے عشق کر کے   کس منہ سے ہم چمن میں پھر ان کر دیں گے (بولی بلی کا مطلب سمجھ
میں نہیں آتا۔ بولی جولی کی کوئی شکل تو نہیں؟ یہ بھی ممکن ہے کہ بولے ہولے کی جگہ بولے ہوں) ۱۸۴/۲ چمن میں ہے دل
ہر غنچہ دیکھ لو پر خوں   جگر خراش یقین بلبلوں کا شیون ہے (لفظ یقین محل نظر ہے، دیوان یقین میں بھی یہ مصرع
نہیں ہے) ۱۹۴/۱۱ مردی کی جو کچھ قدر اسے ہی نہ رہی پھر نواب بہادر سا جو سردار نہ ہو وے (نواب بہادر جاوید خاں
خواجہ سرا، شیر خاص احمد شاہ کا خطاب تھا۔ مطلب واضح نہیں) ۱۹۶/۵ بید مجنوں جس طرح ہے غم میں مجنوں کے دوتا
سر نگوں اس طرح بھی ہے تیشہ فرہاد بھی (ایک بھی فاضل پہلے بھی کی جگہ سے پڑھا جائے تو بہتر ہوگا) ۱۹۷/۲۰۲ لگاتا ہے نگہ
کا تیر دل میں جس طرح پیری ۲۰۴ ٹک اک تو دیکھ لے اس طرح اے ابرو کماں پیری + ملایا خاک میں تجن نے ہمیں ...
ہم کو دکھلا کر + کبھی اس راہ ہو آنکلا وہ سرو رواں پیری۔ ۲۰۵/۲
نزدیک نہیں کہ ہو نالاں سنجوں گردش نے فلک کی ہائے کیا بیگانہ دور، ۲۲۵ آخری سطر میں شکوہ ترا اگرچہ قیامت
فلک کر بیٹھ + نزدیک اپنے تو بھی میں لے چرخ کم کروں + جور و جفائے تیرے مرا دل ہوا ہے خوں (مسدس مصرعے
میں پہلے اور دوسرے دونوں میں لفظ کروں قافیہ ہے) ۲۲۱ سطر ۳ تا ۷، اب کے معشوقوں کو ہے شوق الٰہی۔

تنگ جامے کو بہن سج کے جیلی دستار + چھبی باتوں میں کمخواب کی بھڑکا کے ازار + سب کے تئیں جا کے ترا تے میں دکھاتے ہیں بہار + لالچی ایسے کہ جس پاس ٹکے زر کی بو + جا بھڑیں پہلے تو پیچھے ہو جو کچھ ان پہ سو ہو ۲۵۹ عجائب غرائب کو جانے ہے غیب + کہ بے شک ہے اس کے تئیں دست غیب ۲۶۳ وہ دیوان خانے میں جب میٹھتا + تو دو دو پری رُو دے دے بلا ۲۶۵ کوئی کر کے آغاز ساتوں کرام ۲۶۶ سکتا تھا ان میں جو شل حباب ۲۶۷ زمیں رنگ ہے بس کہ ہوتی تھی لال + سبھی صحن خالی ہوں پہ بھتا گلال ۲۶۸ تو کئی جام دے لے بھجے پے بہ پے ۲۷۲ ہو کے تب غمگیں کہی ہاتف نے یہ کہ موے ہے ہے میاں مضموں کیا ۲۷۲ کہتا ہوں اس سے کہ جن نے (میں اس سے یہ کہ؟)

اشعار ذیل دوسرے شاعروں کی جانب بھی منسوب ہیں:-

(۱) اس رخ جوڑے پہ ترے بیگی کناری کی جھنک + برق ساں ابر کے ہوتی ہے نثار دامن۔ یہ شعر انتخاب دیوان بیدار مرتبۂ سید فضل الحسن صاحب حسرت میں موجود ہے۔ ص ۹ مجموعۂ نغز قاسم میں جلد ا میں یہ شعر بیدار کے نام لکھا ہے ص ۱۳۳۔ اور اسی جلد کے ص ۱۲۷ اس کے متعلق حاشیے میں یہ عبارت درج ہے: "این شعر در دیوان شاہ محمدی بیدار دیدہ شد و زبان زد عالم است کہ ازاں عبد الحی تاباں است، واللہ اعلم بحقیقت الحال"۔

(۲) اس کیوں ہر کسی کے ساتھ دل اپنا لگائیے ہر بے وفا سے کاہے کو عاشق کہائیے

ہم ہاں ماں آئے ہیں پیراں کی منتیں ساجن گر آملے تو نیاز اں پڑھائیے

یہ دونوں شعر خفیف اختلاف کے ساتھ شفیق نے صابر لاہوری کی جانب منسوب کیے ہیں۔ ایک شعر اور بھی اس زمین کا دیا ہے، لیکن وہ دیوان مطبوعہ میں نہیں، شفیق لکھتے ہیں: "بعضے اشخاص این چار ریختہہائے میر صابر را در مولود وغیرہ بنام۔۔ تاباں می خوانند محض بیجا است، زیرا کہ آں اشعار از زبان اعزہ معتبرہ کہ بار ملاقات میر صابر یافتہ اند بہ سمع رسید کہ از مناسبت آں تا ہمیں تحریر در دیوان تاباں ہم دارد"۔ اس کے بعد تین شعر نقل کیے ہیں۔ ج میں بھی یہ غزل موجود ہے، بلکہ ایک شعر اور بھی ہے جو ت میں نہیں ہے:-

کچھ عیب نہیں ہے درس دکھانا ثواب ہے جیسا کسی پیاسے کو پانی پلائیے

شفیق کے قول سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو ان اشعار (علی الخصوص وہ دو شعر جو شفیق نے نقل کیے ہیں) کی زبان تاباں کی زبان نہیں معلوم ہوتی ہے اور یہ بہ خوبی ممکن ہے کہ دیوان تاباں میں کسی کے غلطی سے داخل کر دیا ہو۔

(۳) میخانے میں کیا پھرے ہے شکی اٹکی + زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی + قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے کافر + یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی۔ یہ بڑی آوارہ گرد رباعی ہے، کئی شاعروں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ مجموعۂ نغز جلد ا ص ۹ خفیف اختلاف کے ساتھ منسوب بہ انشا۔ کلیات انشا کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں ہماری نظر سے نہیں گزری، گلزار ابراہیم مطبوعہ ص ۱۱۴ پہ یہ رباعی بسبت قلی خان حسرت کے نام اختلاف کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ حسرت کا دیوان موجود ہے

لیکن ہمیں اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

(۴) بیاں میں کیا کروں دیوانگی اپنی کا افسانہ: یہ مخمس سری رام نے (خمخانہ جاوید جلد ۲ ص ۲۷۳) سودا کی طرف منسوب کیا ہے، آخر کے تین مصرعے خمخانہ جاوید میں اس طرح ہیں: "کبھو ہوتا ہے میرے ساتھ سودا مجمعِ طفلاں تجلی اس طرح سے دیکھ کر اب خوار و سرگرداں، کوئی کہتا ہے سودائی کوئی کہتا ہے دیوانہ" ت میں "سودا کی جگہ "تاباں" اور تجلی کی جگہ "مرے تئیں" ہے۔ کلیات سودا کے مطبوعہ نسخے (نولکشوری) میں یہ مخمس نہیں ہے، کلیات کے کئی قلمی نسخے جو ہم نے دیکھے ہیں، ان میں نہ مل سکا، خمخانہ جاوید میں مخمس کا جو آخری شعر ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ غزل تجلی کی ہے اور تضمین سودا کی، مزید تحقیق کے لیے ہم نے تجلی کا کلیات دیکھا، لیکن یہ غزل نظر نہ آئی، مخمس کے دیکھنے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ ایک مستقل مسلسل نظم ہے، جس کسی نے بھی اسے لکھا ہو، ایک بار اسے لکھا ہے، یہ نہیں کہ غزل پہلے لکھی ہو بعد میں اس کو مخمس کیا ہو۔ ہمیں سودا کی جانب اسے منسوب کرنے اور تاباں کو اس سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ اشعار دیوان میں نہیں لیکن دوسری جگہ پائے جاتے ہیں :-

(۱) اے نا انصاف شیریں حیف تو کیا کام فرمائے سمجھ کر کوہ کن اپنا عاشق اپنا دوستدار اپنا (ح)

(۲) مضرت ہے تجھے عاشق کے مارے سیتی اے ظالم کہ ہم تلخی کشوں کا خون بیشک زہر قاتل ہے (گلشن گفتار)

(۳) کچھ عیب نہیں ہے ورس دکھانا الخ (ح، اوپر لکھا جا چکا ہے)

(۴) سرسبز خط سے دونا ہوا حسن یار کا + آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا
مرزا علی لطف نے تاباں کے نام سے لکھا ہے، لیکن قایم و میر کے تذکروں میں عشاق کی طرف منسوب ہے۔

دیوان تاباں کا یہ نسخہ ہر صاحب ذوق کے کتب خانے میں رہنا چاہیے۔

کلیم عجم ۔ مصنفہ جناب سیماب اکبرآبادی (مئی کا معیار ملاحظہ ہو)

جناب سیماب نے اپنے خطبات میں غزل کا معیار خود ہی قائم کیا ہے، بہتر ہوگا کہ ان کا کلام انہیں کے میعار سے جانچا جائے، ذیل میں ہم مزید اقتباسات درج کرتے ہیں :-

(۱) ص ۲۴ " اس قسم کی شاعری جس میں تقلید اور غیر فطری جذبات کے زیادہ سے زیادہ جراثیم پائے جاتے ہیں، ایک رواجی بدعت، ایک بے اصولی، اور ایک غلط ذہنی تربیت کے ماتحت مروج ہے، جس میں عام اور پست نیز قدیم ترین معاشرت کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں، وصل و وصال، ہم خوابی اور ہم آغوشی، بوس و کنار اور ایسے ہی مخرب اخلاق اور تہذیب سوز مناظر دکھائے جاتے ہیں، پھر رونا یہ ہے کہ یہ موضوعات بھی اس صادق جذباتی کیفیت سے خالی لہجے میں ظاہر کئے جاتے ہیں، جس سے تقلید اور نقالی تو ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن حقیقت کا کہیں پتا نہیں چلتا۔"

(۲) ص ۲۵ " غزل کی تعریف میں معاملہ بندی کہہ کر خاموش ہو جانا غزل اور تغزل دونوں کی توہین ہے، تغزل کو قدرتی طور پر نفسانیت

سے پاک اور روحانیت سے لبریز ہونا چاہیے۔ حقیقی تغزل وہ ہے جس کی بنیادیں جذبات لطیفہ پر قائم ہوں اور جس میں رکاکت اور ابتذال کا شائبہ تک نہ ہو۔"

(۳) ص ۲۶ "جب شعر مطلق روحانیت اور ایک زائیدہ الہام چیز ہے تو کیا اس کے متکلم کو مادی دنیا میں تمام عالم اور تمام کائنات پر حاوی نہ ہونا چاہیے؟"

(۴) ص ۲۸ "ہماری شاعری ماحولی خصوصیات کی حامل ہونا چاہیے، اور زیادہ سے زیادہ فطری، ہمارا ہر شعر اپنی جامعیت، اکملیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک مکمل نظم ہونا چاہیے، ہماری ہر نظم ضروریات زمانہ کے مطابق، اہل ملک اور فرزندان وطن کے لیے مستقبل کا ایک پیغام ہونی چاہیے اور ہماری ہر غزل حقائق و معارف اور جذبات عالیہ کا ایک ایسا آئینہ ہونا چاہیے جس میں ہمارے نوجوان ماضی حال اور مستقبل کا صحیح ادراک کر سکیں، جو ہمیں تدبیر منزل اور شاہراہ ترقی بتا سکے، اور بلند و لطیف محاکات سے ہماری روح میں کیف و تسکین کی موجیں پیدا کرے۔"

(۵) ص ۳۸ "اب فرضی عشق و محبت جتانے کا وقت نہیں رہا، مجازی جذبات وصل و فراق کی نقالی کا موقع نہیں رہا، حقیقی موضوعات اس قدر کثیر موجود ہیں کہ ہمیں فرضیات اور ظنیات کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت بھی نہ ملنی چاہیے۔"

(۶) ص ۴۲ "اگر یہ فکری تصویریں ہماری معاشرت اور ہمارے حالات و واقعات کی اصلی تصویریں ہوں تو کیا ہماری شاعری حقیقی شاعری نہیں کہی جا سکتی اور کیا اس میں بلحاظ واقعیت زیادہ اثر و قوت پیدا ہو جانے کا امکان نہیں؟"

(۷) ص ۴۴ "جب تک ہم اپنی شاعری کو مفید، متین، مہذب و با اثر نہ بنائیں گے، جب تک اپنے تغزل میں رفعت، اپنی نظم میں شوکت، اپنے خیالات میں بلندی اور اپنے ادراکات میں ترفع پیدا نہ کریں گے، ہمیں دنیا میں زندہ رہنے ..... میں کبھی کامیابی نہ ہوگی۔"

(۸) ص ۵۴ "اردو شاعری کا بیشتر حصہ ایسے پست خیالات و جذبات کا حامل ہوتا ہے کہ ایک شاعر بیٹا ایک بزرگ باپ اور اپنی محترم ماں کے سامنے اپنے اشعار آزادی سے نہیں سنا سکتا۔"

(۹) ص ۵۶ "مبتدی شعرا غلط محاورے، غلط بندشیں، غلط ترکیبیں استعمال کر جاتے ہیں۔"

(۱۰) ص ۶۰ "ٹکسالی زبان کے حامیوں کا ایک گروہ ہے جو چاہتا تو یہ ہے کہ زبان کی سالمیت پر حرف نہ آئے مگر فی الحقیقت اس کی ترقی کی راہیں بند کرنے کا خواہش مند ہے، نئے الفاظ، نئے معنی اور نئے اسالیب بیان سے حد سے زیادہ ڈرنا ایک زندہ زبان کے لیے ... مہلک ہے۔"

(۱۱) "بعض لوگ صرف روزمرہ کی ترویج کے حامی ہیں، اور متانت خیال و الفاظ کے مخالف، وہ ... نہیں چاہتے کہ غزل ... تغزل محض سے تجاوز کرے یا اس کے اسالیب و موضوعات میں فلسفہ و تصوف کی گنجائش ہو۔"

(۱۲) ص ۸۶ - ۸۸ "میں زبان کی سادگی کو خیالات کی پاکیزگی اور جذبات کی بلندی کی عدم موجودگی میں غلط خیال کرتا

ہوں، غزل کی .. زبان علمی، الفاظ منضبط و لطیف، پُر شوکت اور نغمہ بار ہوں، اور خیالات و جذبات بلند پایہ و پاکیزہ ہوں، سادگی کے ساتھ متناسب فارسی تراکیب اگر بے تکلف استعمال کی جائیں تو یقیناً غزل میں بلندی پیدا ہو سکتی ہے۔"

(۱۳) ص ۹۸ "جب تک ہم اپنی شاعری کی زبان کو جہلا اور عوام کی زبان سے ممیز نہ کر دیں، ہمیں کوئی تفوق اور امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔"

(۱۴) ص ۱۰۱ "اب موضوعات غزل میں فلسفہ حسن و عشق عرفان، حقیقت شناسی، اسرار کشائی، درس و پیغام، واردات و جذبات اور محاکات کے علاوہ دوسرے موضوعات کی بہت کم گنجائش ہے .... جو کیفیت حقیقتہً ہم پر طاری ہو جو واقعات ہمارے مشاہدے اور مطالعے میں آئیں وہی ہماری غزل کا اصل موضوع ہیں، یہ لازمی نہیں کہ اگر ایک شاعر کسی کے فراق میں مضطرب الحال نہیں ہے، تو وہ فراقیہ اشعار ضرور ہی لکھے ... اس قسم کی .. غزل گوئی نقالی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور اگر قائل کی حالت اس کے قول کی تکذیب بھی کر دے تو سمجھیے کہ نقل میں بھی نقص ہے۔"

(۱۵) ص ۱۰۵ "یہ وہ رنگ تھا جو میرزا داغ اور مرزا غالب کے رنگ تغزل کے امتزاج سے بقدر معتدل پیدا ہوا تھا۔ آگرہ اسکول بھی آج اسی رنگ کا متبع و موید ہے۔"

(۱۶) ص ۱۰۷ "میں اس شاعری کا منکر ہوں جس کا موضوع صرف عورت یا اس کے متعلقات ہوں یا جو اوہام پرستی کی نفسیات پر مشتمل ہو، میری شاعری کا موضوع حسن محض اور عشق محض ہے اور تمام ضمائر کا مرکز وہ ذات ہے جو حامل حسن اور مرکز محبت ہو .. میں خیالات میں تصنع .. کا حامی نہیں، میں خیالات کو صداقت اور محبت پر مبنی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

غزل کی زبان کے متعلق جناب سیماب کے عمل اور ان کے نظریے میں بہت زیادہ فرق نہیں، ان کی شاعری محاورے اور روزمرے کی شاعری نہیں ہے، جناب سیماب کا دعویٰ ہے کہ آگرہ اسکول میرزا داغ اور میرزا غالب کے رنگ تغزل کے امتزاج سے پیدا ہوا ہے، لیکن کیا زبان، کیا طرز بیان اور کیا معانی کہیں بھی تتبع داغ کا پتا نہیں چلتا، جناب سیماب کے کلام میں پرشوکت فارسی الفاظ اور تراکیب کی بہتات ہے، اور ہندیت نہ ہونے کے برابر ہے، انہوں نے اپنی زبان کو صرف جہلا اور عوام ہی کی زبان سے ممیز نہیں کیا ہے، بلکہ عام بول چال کی زبان سے بھی علاحدہ رکھا ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو صرف جناب سیماب ہی اس کے مرتکب نہیں، آج کل اکثر مشہور غزل گو فارسیت کو ہندیت پر ترجیح دیتے ہیں۔ غالب و مومن کے بعد داغ نے دلی میں اور شاگردان آتش و ناسخ نے لکھنؤ میں فارسیت کے سیلاب کو روکنا چاہا تھا۔ دور جدید کے شعرا میں حالی بھی ان لوگوں کے ہم خیال تھے، لیکن بیسویں صدی میں کلام غالب کو وہ مقبولیت نصیب ہوئی کہ فارسیت کا بول بالا رہا اور اس کے آگے ہندیت کا چراغ نہ جل سکا۔

فارسیت کے غلبے سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو ان کی زبان میں دو باتیں قابل اعتراض پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ معتدل فارسی تراکیب کے ساتھ غیر معتدل فارسی تراکیب بھی ہیں، غیر معتدل سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یا تو فارسی نوانہ

کے رُو سے جائز نہیں، یا اُردو میں ان کا رواج مناسب نہیں، مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۱- حدوث کی خفتہ کاریوں میں ہوا ہے تقسیم خواب تیرا۔

۲- ابھی تزتبوں کی نہیں قسم، یونہی تھوڑی دور قدم قدم، کہ صد آرزو زدہ کرم، ابھی اور ایک مزار ہے

۳- کوئی دیکھے مری وحشت سوالی　　　انہیں کو مانگتا ہوں میں انہیں سے

۴- تا کجا ہم انتشارِ گردِ راہ کارواں　　　دو قدم بڑھ کر امیرِ کارواں ہو جائیے

۵- آئینۂ تعیشِ نظر گلکدہ رس کی راتیں　　　کتنی رنگین و مبارک تھیں قفس کی راتیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غزلوں میں کثرت سے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اخبار نویس بے تامل برت سکتے ہیں لیکن غزل کی نزاکت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی آج سے نہیں سیکڑوں برس سے ہمارے یہاں یہ بات شعرا کے مسلمات میں سمجھی جاتی ہے کہ ہزاروں الفاظ جو بجائے خود صحیح ہیں، اور نثر تو نثر قصیدہ و مثنوی میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں، غزل میں نہیں کھپ سکتے، اور ہماری رائے میں کوئی وجہ اس کی نظر نہیں آتی کہ ہم غزل کو اس کی خصوصیت سے محروم کر دیں۔

جناب سیاب ان لوگوں میں بھی نہیں جو غزل کے دائرے کو معنوی حیثیت سے وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے یہ عذر بھی نہیں پیش کیا جا سکتا کہ نئے معانی کے لیے نئے الفاظ کی ضرورت ہے، مثالیں بکثرت ملیں گی۔ چند ملاحظہ ہوں:

۱- یہ نکماپن جمودِ دل کا اک انجام ہے　　　۲- مگر میں تجزیۂ ہر نگاہ کر نہ سکا

۳- واقعاتِ عشق کا تھا ایک لمحہ اک صدی　　　ہر نفس میں میں نے اک رومان پیدا کر دیا

۴- سب مرے انجام پر آمادۂ تنقید ہیں　　　۵- انتظامِ تمنا خراب ہو نہ سکا

۶- محبت اک بڑا احسان ہے تاریخِ انساں پر　　　۷- دل کی تنقید مناسب ہے نہ یوں تیور بدل

۸- روایاتِ محبت میں نہ تبدیلی ہوئی اب تک　　　ہزاروں انقلاب آتے رہے تاریخِ انساں میں

۹- تم نے تو اپنے حسن کو محفوظ کر لیا　　　ہم کس کے ساتھ غمِ محبت بسر کریں۔

۱۰- دو حقیقی اور فطری نعمتیں ہیں حسن و عشق　　　مادیت سے انہیں کیوں کثافت آلودہ کریں

۱۱- مخصوص میرا ذوقِ نظر تھا ترے لیے　　　تائیدِ عام نے جسے دستور کر دیا

۱۲- یہ مطلب ہے کہ تنظیمِ چمن دشوار ہو جائے　　　۱۳- نہ پوچھ اس پاکبازِ آرزو کا مسلکِ الفت

۱۴- ایک ہی ساعت نظامِ عشق کا ماضی و حال　　　میری تجویزِ وفا ناکام تھی ناکام ہے

یہ عشق کا ذکر ہے یا کسی انجمن میں کسی تحریک کے نامنظور ہونے کا؟

۱۵- مری حیرت پہ وہ تنقید کی تکلیف کرتے ہیں　　　۱۶- ابھی تبلیغ کو کیا تو میخانہ نہیں اٹھی

۱۷- کیجیے اقدام کوئے دوست مٹ کر ہی سہی۔

جناب سیماب نے مجبوراً، حقیقتہً، انسیتہً، رسماً، خلقتہً وغیرہ کو بڑی کثرت کے ساتھ غزل میں استعمال کیا ہے، ہماری رائے میں غزل میں ان سے احتراز لازم ہے۔

جناب سیماب کی شاعری کا موضوع "عورت یا اس کے متعلقات" نہیں، اور نہ ان کی شاعری "امرد پرستی کی نفسیات پر مشتمل" ہو، اس کا موضوع حسن محض اور عشق محض ہے اور تمام ضمائر کا مرکز وہ ذات ہے جو حامل حسن اور مرکز محبت ہو۔" ایک جگہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "تغزل کو قدرتی طور پر نفسانیت سے پاک اور روحانیت سے لبریز ہونا چاہیے۔" حسن محض اور عشق محض سے جناب سیماب کی کیا مراد ہے، نہ انہوں نے اسے سمجھایا ہے اور نہ ان کی مدد کے بغیر ہم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کے اشعار میں شاہد حقیقی سے خطاب ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ افلاطون کا عالم امثال ان کے ذہن میں ہو، ہماری غرض ان کے نصب العین پر اعتراض نہیں (اگرچہ ہمارے خیال میں مادیت کو غزل سے بالکل خارج کرنے میں وہ غالب کے اس قول کو بھول گئے ہیں۔

"لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا")

ہمارا مقصد صرف یہ دیکھنا ہے کہ جناب سیماب کا عمل کہاں تک ان کے نظریے سے مطابق ہے، ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اشعار ذیل میں مخاطبت کس سے ہے، یا ان کا موضوع کیا ہے:-

۱- وہ خود لیے بیٹھے ہیں آغوش توجہ میں
بے ہوش ہی اچھا تھا ناحق مجھے ہوش آیا

۲- عشق ہے اک جوش سیلاب جوانی تند و تیز
حسن ہے اک موجۂ رنگین طوفان شباب

اس شعر میں جس عشق کی تعریف کی گئی ہے، کیا وہی عشق محض ہے؟

۳- ہو چکا ہوں بارہا عذر نزاکت کا شہید
کر چکا ہوں امتحان قوت بازوے دوست

۴- بے ہوس کو ہم کناری وہم آغوشی نشاط
یعنی اک ہنگامہ ہے اندیشۂ پہلوے دوست

۵- نیند آ آ کر اُچٹ جاتی ہے تیری یاد میں
تار بستر نشتر آغوش ہے تیرے بغیر

(اس غزل کا مخاطب کوئی "غیر محسوس" ذات نہیں ہو سکتی)

۶- سیماب آدھی رات کو آئیں وہ بے قرار
تیری دعا ے نیم شبی میں اثر تو ہو

۷- یہ آنکھیں ساغر مے یہ جوانی نشۂ صہبا
خدا رکھے تمھیں تم بھی تو ہو تصویر میخانہ

۸- وہ چاندنی میں نظریں بچا کر ان کے مکاں کا طوف مسلسل سب سے چھپا نا راز نہانی، اے محبت ہاے جوانی

۹- وہ ان کا جانا دامن جھٹک کر وہ بیٹھ جانا دل کا دھڑک کر، وہ ان کا آنا وہ شلوانی، اے محبت ہاے جوانی

جناب سیماب کی رائے میں غزل کو رکاکت و ابتذال سے پاک ہونا چاہیے، اور اشعار ایسے ہونے چاہییں جو ہر صحبت میں بے تامل پڑھے جا سکیں، ہم بلا خوف تردید یہ اعلان کرتے ہیں کہ جناب سیماب کی غزلیں رکیک اور مبتذل مضامین سے یک قلم خالی ہیں، ان کے اشعار میں چند ہی ایسے ہیں جو ایک حیادار نوجوان اپنے والدین کے سامنے نہ پڑھ سکتا ہو، یا تیرھویں صدی کا باپ

اپنی دوشیزہ لڑکی کے سامنے نہ سنا سکتا ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اشعار کا یہ معیار کہاں تک صحیح ہے؟ اگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں تو قدیم شعرا میں، خواہ وہ کسی زبان کے ہوں، دس پانچ کے سوا کسی کا کلیات معتدبہ اشعار کو خارج کیے بغیر نہیں شائع کیا جا سکتا، اور نثر کی ہزاروں کتابوں کا چھپوانا بالکل بند کر دینا پڑیگا، کمال یہ ہے کہ اس معیار کے ساتھ ساتھ جناب سیماب غزل میں تتبع فطرت' اور 'واقعیت' کے بھی خواہاں ہیں، اس کی بحث آگے آئیگی۔

جناب سیماب غزل میں بجا طور پر تقلید اور نقالی سے متنفر ہیں' ان کے نزدیک شاعری واردات قلبی پر مبنی ہونی چاہیے۔ کسی مضمون کو محض اس لیے باندھنا کہ شعرا باندھتے چلے آتے ہیں، محض لغو اصول ہے، ہم جناب سیماب کی توجہ اشعار ذیل کی طرف مبذول کراتے ہیں' اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی انہوں نے 'آپ بیتی' بیان کی ہے:-

۱- "مجھ سے پہلے کوئی جلوہ گر دل نہ ہوا
یہ وہ منصب ہے جو موسیٰ کو بھی حاصل نہ ہوا"

کیا واقعی وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقام حضرت موسیٰ کے مقام سے آگے ہے؟ اگر نہیں تو یہ شعر محض قدما کی تقلید میں کہا گیا ہے۔

۲- "آئے ہو دینے دعوتِ دار و رسن ہمیں
جب ہم نے ترک شیوۂ منصور کر دیا"

ہم نے تو نہیں سنا کہ جناب سیماب نے کبھی انا الحق کا دعویٰ کیا ہو' بہ کثرت اشعار اس قسم کے ہیں، بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ جدید خیالات ان کے یہاں بہت کم ہیں' اور انہیں ان کے ادا کرنے میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ذیل میں ہم پرانی طرز کے چند کامیاب اشعار درج کرتے ہیں، اس کے بعد ہم چند ایسے اشعار نقل کریں گے جن میں شاعر نے جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے:-

طرز قدیم:- دل کھنچا جتنا قفس میں آشیانے کی طرف
دور اتنا ہی قفس سے آشیانہ ہو گیا

توقع سے ترے فضل و کرم کو بیشتر دیکھا
مجھے شرم آ گئی جب اپنا دامن مختصر دیکھا

نیاز عشق کو آزاد قید رنگ و بو پایا
جنوں کو بے نیاز بندش دیوار و در دیکھا

ترک مدعا کر کے کیا بتائیں کیا پایا
ہم نے ساری دنیا کو حسب مدعا پایا

کم سے کم فرشتوں کو چین تو ملا دل کا
آپ کی محبت میں آدمی نے کیا پایا

شکستہ پا ہوں شریک اپنے کارواں میں نہیں
مرے نصیب کی گردش بھی آسماں میں نہیں

جنوں کی نذر سالانہ کا ساماں دیکھ لیتا ہوں
بہار آتے ہی پہلے میں گریباں دیکھ لیتا ہوں

۱۹۱۹ء سے قبل کا کلام:- میں تمہارا نہیں تو کس کا ہوں
دل تمہارا نہیں تو میرا ہے؟

ستم زدوں پہ گراں تھی ہوا زمانے کی
جھکی تو پھر نہ اٹھی شاخ آشیانے کی

بتا دیں دل میں یکساں آپ کا کیا بن کے رہتا ہے
محبت بن کے آتا ہے تمنا بن کے رہتا ہے

شرم بسمل کی ہے قاتل ترے اوسان کے ہاتھ
ہاں ذرا تول کے تلوار ذرا تان کے ہاتھ

وضو کرتے ہیں مے سے خشت خم پر سر جھکاتے ہیں
یہ رند اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتے ہیں

خلوص دل سے سجدہ ہو تو اس سجدے کا کیا کہنا — وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

جدت کا نمونہ :۔ وہ نور نظر بن کر برسات میں آتے ہیں — منظور ہے بوندوں کو پروانہ بنا دینا

رات کا جانا وداعِ شیشہ و پیمانہ تھا — صبح کا تارا نہ تھا قفلِ درِ مینا نہ تھا

دو ہی انگارے تھے ہاتھوں میں خدائے عشق کے — ایک کو دل ایک کو میرا کلیجا کر دیا

ہیں تبسم میرا تارے کہکشاں انگڑائی ہے — ہر شب ہستی میں ہے میرا ہی سامان شباب

جناب سیماب کی رائے میں شعر "زیادہ سے زیادہ فطری" اور موضوع کے لحاظ سے مکمل" ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک شعر میں "جب تک واقعیت نہ ہو، اس میں اثر و قوت پیدا ہونے کا امکان نہیں"۔ شاعر کو "ہمارے حالات و واقعات کی اصلی تصویریں" کھینچنی چاہیے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مقدمۂ حالی کی صدائے بازگشت ہے؟ یا جناب سیماب اردو والوں کے سامنے زولا کا پروگرام پیش کر رہے ہیں، شعر کی خالص روحانیت کے متعلق جناب سیماب کے اقوال دیکھ کر ہماری حیرت اور بڑھ جاتی ہے کیا کوئی شاعر سوسائٹی کی مکمل تصویر کھینچنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جو مادیات کے وجود کا قائل ہی نہیں؟ یا کم از کم اشعار میں انہیں کسی وجہ سے یک قلم نظر انداز کر دیا جاتا ہے؟ جناب سیماب بظاہر اُن لوگوں میں ہیں جو "رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی" کے مصداق ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں زمانہ مدارس کی استانیوں اور اہل فن دونوں کو بہ یک وقت خوش رکھنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہو اس کا فیصلہ اگر ان اشعار کی مدد سے جو ہم نے اس تبصرے میں نقل کیے ہیں نہ ہو سکے، تو ناظرین "کلیم عجم" کا خود مطالعہ کریں۔

جناب سیماب کے خیال میں "شاعری کو ماحولی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے"۔ دوسرے لفظوں میں شاعری میں مقامی رنگ گہرا ہونا چاہیے، اس معاملے میں ان کا نظریہ ان کے عمل سے بالکل مختلف ہے۔ قیس و لیلیٰ، فرہاد و شیریں، طور و کلیم تلمیحات سے دیوان بھرا پڑا ہے :۔

جہاں میں قابلِ تقلید تھی طرزِ فغاں میری — پپیہے نے بالآخر یاد کر لی "پی کہاں" میری

اس قسم کے اشعار دیوان بھر میں دو تین سے زیادہ نہ ہوں گے، اگر یہ اشعار نکال دیے جائیں، اور دیوان کا ترجمہ فارسی میں کر دیا جائے تو آسانی سے اسے کسی ایرانی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے :۔

وہ عبا قیس کی فرہاد کا وہ جامۂ تنگ — دشت و کہسار نے دیکھے ہیں گریباں کیا کیا

نجد کے ہرنوں سے اعجازِ محبت پوچھیے — پڑ گئی جس پر نگاہ قیس لیلیٰ ہو گیا

پھیر برقِ تجلی کو نہ کر موسیٰ تو شکوہ کیا — تماشا تھا یہ اندازِ تمنا رہ گیا ہو کر

جناب سیماب نے شعر کی افادی حیثیت کو بڑی اہمیت دی ہے، شاعر اگر وہ حقیقی شاعر ہے تو کل مشکلوں کو حل کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے شاعر کے لیے محض مغنی یا مصور ہونا کافی نہیں، اسے صاحب فکر بھی ہونا چاہیے، اس مسئلے کی مجموعی حیثیت سے قطع نظر کر کے کہ شاعر کے لیے صاحب فکر ہونا ضروری ہے یا نہیں ہم اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ جناب سیماب کس حد تک

فلسفی یا صاحب فکر کہے جانے کے مستحق ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے چند اشعار درج کرتے ہیں، جن میں ان کے مذہبی، اجتماعی اور فلسفیانہ معتقدات منظوم ہوئے ہیں۔

۱۔ "نہ تھا وہ بھید کہ دنیا مجھے سمجھ لیتی — میں خود بھی اپنے سمجھنے میں کامیاب نہ تھا"

۲۔ "اس کی ہستی وہم ہستی وہم اور پستی بھی وہم — نام ہے انساں اک مجموعۂ اوہام کا"

۳۔ "تیرا ہی ایک جلوہ تا دیدۂ حسن تھا — اپنی ہی اک ادا پہ رہا ہے میں مٹا ہوا"

۴۔ "میں نے خاک میں مل کر منصب فنا پایا — اے اجل بتا تو نے مجھ کو کھو کے کیا پایا"

۵۔ "جسم پھر بنتے ہیں صرف خاکداں ہونے کے بعد — جمع پھر ہوتے ہیں ذرے رائگاں ہونے کے بعد"

۶۔ "نہیں آشنائے حال سے کوئی آنکھ بزم مجاز میں — ہوں وہ آئینہ جو ہے ناتمام ابھی ذہن آئینہ ساز میں"

۷۔ "تنگ بنائی ہوئی حدوں سے نگاہ کو وسعتیں عطا کر — تمام عالم وطن ہے تیرا اگرچہ تیرا وطن نہیں ہے"

۸۔ "خراب فرد عمل ہو نہ جائے اے سیماب — اسے جناب رسالت مآب دیکھیں گے"

۹۔ "اے خاک کے پتلے تجھے ادراک نہیں ہے — کچھ اور بھی ہے تجھ میں فقط خاک نہیں ہے"

۱۰۔ "انجام ہر اک شے کا بجز خاک نہیں ہے — کیا ہے جو یہ عالم خس و خاشاک نہیں ہے"

۱۱۔ "تیری دنیا ہی دنیا الٰہی مگر مطمئن ذہن دنیا نہیں ہے — کاوش زندگی، کاوش مرگ کا کچھ نتیجہ بھی ہے یا نہیں ہے"

۱۲۔ "پھول کا، خار کا، باغ و کہسار کا، علم انساں کو کس کا نہیں ہے — پھر بھی اس جلوہ گاہ پر اسرار کا کوئی راز آشکارا نہیں ہے"

۱۳۔ "سب یہ جلوے ہی جلوے تو ہیں ہر طرف ہیں حجابات اوہام باطل فقط — جتنے پردے ہیں ان میں کوئی پردہ کوئی حائل چشم بینا نہیں ہے"

۱۴۔ "زندگی کا ہے ادراک مقصود اگر قید ہستی سے آگے گزر جا — زندگی کے ظواہر پہ نقد و نظر فلسفہ زندگی کا نہیں ہے"

اگر کوئی شخص کوئی ایسا نظام فلسفہ جس کے اجزائے ترکیبی ایک دوسرے سے غیر مربوط نہ ہوں، ان اشعار سے نکال سکتا ہے تو ہم اس کی طباعی پر اسے مبارک باد دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ فکر کی گہرائی سے جو فلسفی کے لیے ضروری ہے جناب سیماب قطعاً محروم ہیں۔ انسان کی حقیقت، فطرت سے اس کے تعلق، انجام حیات انسانی، علم انسانی، وغیرہ کے متعلق جن خیالات کا انہوں نے اظہار فرمایا ہے، وہ محض دوسرے شعرا کی تقلید میں ہے، اور ان مسائل پر انہوں نے کافی غور نہیں کیا۔ شعر ۸ کیا ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے قلم سے نکل سکتا ہے؟ اور شعر ۷ کیا ایک وطن پرست کا نتیجۂ فکر ہو سکتا ہے؟

جناب سیماب کے بعض اشعار یا تو واقعی قابل اعتراض ہیں، یا ہماری سمجھ میں اچھی طرح نہ آئے، ہم انہیں درج ذیل کرتے ہیں، اگر جناب سیماب یا کوئی اور صاحب ہمارے شبہات کو دور فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔

(۱) "غم عذاب و ثواب کیسا یہ دونوں تیری ہی نعمتیں ہیں — نہ اختیاری کرم ہے تیرا نہ اختیاری عتاب تیرا"

یہ شعر سب سے پہلی غزل کا ہے، جس میں اول سے آخر تک عروس فطرت سے خطاب ہے، انہیں پہلے اور دوسرے مصرعے میں

نظر نہیں آتا۔ دوسرے مصرعے کا مطلب غالباً یہ ہے کہ تیرے کرم اور عتاب پر میرا اختیار نہیں، اگر عذاب و ثواب، دونوں شاعر کی نظر میں نعمتیں ہی ہیں، تو پھر اختیار نہ ہونے کی شکایت کیسی؟ اس بے ربطی سے قطع نظر کر کے بھی عروس فطرت کو ان الفاظ میں مخاطب کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) "برہمن کہتا ہے الخذ شیخ بول اٹھا احد — نکتہ رس دونوں نہ تھے آپس میں جھگڑا ہو گیا"

(۳) طورِ موسیٰ، دلِ طائف، چمنستانِ خلیل — یادگاریں ہیں تری جلوۂ جاناں کیا کیا

(۴) کہیں راز جذباتِ الہام ہو تم

'الخذ' کس زبان کا لفظ ہے؟ 'دلِ طائف' سے کیا مراد ہے؟ الہام کا جذبہ کیسا ہوتا ہے؟

(۵) قفس سے چھٹ کے بڑی دیر میں ٹھکانہ ملا — خیال سے بھی کہیں دور آشیانہ ملا

'ٹھکانا' صحیح املا ہے' اسے ہائے مختفی سے لکھ کر 'آشیانہ' کا قافیہ نہیں بنا سکتے۔

(۶) "خلافِ رسمِ دنیا جو شعارِ عشق ہوتی ہے — وہی اک بات رہ جاتی ہے قانونِ وفا ہو کر

شعار مذکر نہیں، مونث ہے، اگر 'بات' کو "ہوتی ہے" کا فاعل مانا جائے تو الفاظ کی نحوی ترتیب قابلِ اعتراض ہے۔

(۷) "نہ ابتدا ہوں کسی کی نہ انتہا ہوں میں — بس ایک خواب سحر نا تمام سا ہوں میں

دونوں مصرعوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا، شعر کا مفہوم واضح نہیں، شاعر کا یہ قول کہ وہ نہ کسی کی ابتدا ہے نہ انتہا، بے معنی سا ہے اور اگر اس کا کوئی مفہوم ہو تو اسے دوسرے مصرعے سے کیونکر تقویت مل سکتی ہے؟

(۸) "آج تو جنگل کا جنگل قابلِ تصویر ہے" قابلِ تصویر یا تصویر کھینچنے کے قابل؟

(۹) "انہیں ترتبوں کی تمہیں قسم، یونہی تھوڑی دیر قدم قدم، کہ صد آرزو زدہ کرم، ابھی اور ایک مزار ہے"

اس شعر میں "قدم قدم" محلِ نظر ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ "چند قدموں پر" لیکن یہ مطلب 'قدم قدم' سے حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) "جتنے پروانے پہلے فنا ہو چکے، کر انہیں زندہ اور پوچھ ان سے، دیر میں جس کے پرتو کی ہے روشنی کیا وہ شمع کلیسا نہیں ہے"

دیر و حرم، کعبہ و کلیسا میں تقابل ہے، دیر و کلیسا کو شعرا نے قریب قریب ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مومن کا مصرع ہے
• فائدہ کیا جو ہوئے شیخِ حرم، راہبِ دیر"

(۱۱) "سکوں پذیر جنون شباب ہو نہ سکا — شگفتِ دسمِ گل کامیاب ہو نہ سکا"

شگفت کو مذکر کی جگہ استعمال کیا ہے، اس کی سند غایتہ ہو۔

(۱۲) "چمک جگنو کی برق بے اماں معلوم ہوتی ہے — قفس میں رہ کے قدر آشیاں معلوم ہوتی ہے"

خیالی خطروں سے ڈرنا، اور قفس میں رہ کے آشیاں کی قدر معلوم ہونا، ان دونوں میں کوئی بھی تعجب انگیز نہیں، دونوں مصرعے اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ دونوں میں ربط کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

شاعر نے بظاہر ایک طائر کی نفسی کیفیت کو بیان کیا ہے جو اسیری کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک طائر اپنے آشیانہ میں تھا، اُسے آشیانے سے کسی خاص محبت کا احساس نہ تھا، اسیر ہونے کے بعد اسے احساس ہوا کہ آشیانہ کس قدر عزیز تھا، اب اس کی زندگی قفس میں گزرتی ہے، اور اپنی جان کا بالکل ڈر نہیں، لیکن بجلی تو بڑی چیز ہے، جگنو بھی چمکتا ہے تو وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ کہیں آشیانے کو جلا کر خاکستر نہ کر دے۔ اگر شاعر کے ذہن میں یہ مطلب تھا، تو ہماری رائے میں الفاظ سے ادا نہیں ہوا۔

(۱۳) "چمن کے حادثے کو مدتیں گزریں مگر اب بھی　　چمکتی ہے جو بجلی آشیاں معلوم ہوتی ہے"

آشیانے کو جلا ڈالنے والی بجلی اور آشیانہ طائر کے ذہن میں ایک ہو گئے ہیں، یہ خیال الفاظ سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتا۔

(۱۴) "ترقی پر ہے روز افزوں خلش دردِ محبت کی　　جہاں محسوس ہوتی ہے وہاں معلوم ہوتی ہے"

'معلوم ہونا' نمایاں ہونے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، ورنہ شاعر کو نفسی حیثیت سے محسوس و معلوم میں فرق بتانا پڑیگا۔ ہمارا اعتراض یہ ہے کہ دردِ محبت کی خلش ایسی چیز ہی نہیں جو نظر آئے، اور اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ خلش ترقی پر ہے۔

استفسارات

(۱) میرزا غالب کے متعلق تحقیقات کے سلسلے میں کتب ذیل کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کسی صاحب کے علم میں یہ کتابیں کہیں موجود ہوں تو براہ کرم براہ راست یا معیار کے ذریعے سے مجھے مطلع فرمائیں۔ جن کتابوں کے سال طباعت دیے ہوئے ہیں وہ کتابیں نظر سے گزر چکی ہیں، ان کے خاص نسخے مطلوب ہیں:-

۱- دستنبو، مطبوعہ مفید خلائق آگرہ ۱۸۵۸ء
۲- دیوان اردو مطبوعہ مطبع احمدی جان دہلی ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸)
۳- نامۂ غالب مطبوعہ دہلی ۱۸۶۵ء
۴- سبد چین مطبوعہ دہلی (۱۲۶۳ھ ؟)
۵- دیوان اردو مطبوعہ مفید خلائق آگرہ ۱۸۶۳ء
۶- معارضۂ انتشار از سید مقصود عالم پھاپونوی نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۶۲ء
۷- مثنوی دمغ الباطل
۸- مثنوی خطاب فاصل
۹- پنج آہنگ مطبوعہ ۱۸۴۹ء

ہیش پرشاد، ڈاکخانہ لنکا، بنارس

(۲) "دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　گلچیں نگاہ تو ز داماں گلہ دارد"
"در بزم وصالِ تو بہ ہنگام تماشا　　نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد"

یہ اشعار غالب نے قدسی کی طرف منسوب کیے ہیں۔ کلیات قدسی کے دو قلمی نسخے دیکھے، نہ یہ اشعار ملتے ہیں، نہ اس زمین کوئی غزل۔ فارسی اشعار کے ایک مطبوعہ مجموعے میں یہ اشعار عشرتی کے نام نظر آئے، مقطع کا ایک مصرع یاد ہے: "اے عشرتی از دفع ترجاناں گلہ دارد"

اگر کسی صاحب کو اس کا تحقیقی علم ہو کہ یہ غزل کس کی ہے، تو مجھے مطلع فرمائیں۔ ممنون ہونگا۔

عبدالودود

اشاریہ

قاضی صاحب کی تحریریں

تحقیقات : میر تقی میر $\frac{179}{180}$ • سکندر اور ضاحک $\frac{343}{349}$ • تاریخ وفات نجف خاں، ۲۶۲ • سال وفات حاتم $\frac{181}{182}$ • سال وفات آبرو، $\frac{44}{46}$ • دیوان راغب (نسخۂ خدابخش) $\frac{317}{320}$ • سال آغاز تذکرہ ہندی $\frac{262}{263}$ • دریائے لطافت کا سال تصنیف ۲۱۰ • دریائے لطافت ۶، $\frac{53}{58}$، ۳۶۱ • حصۂ عروض مصنفۂ قتیل ۱۹۸، ۳۱۶، ۳۶۱

تبصرے : • ندیم (بہار نمبر) $\frac{86}{88}$ - • نیرنگ خیال (سالنامہ) $\frac{121}{133}$ • ادبی دنیا (سالنامہ) $\frac{125}{126}$ • زمانہ (حالی نمبر) $\frac{123}{134}$ • ساقی (جاپان نمبر) ۱۴۴ • ہمایوں (سالگرہ نمبر) $\frac{124}{125}$ • شاہکار (سالنامہ) $\frac{270}{271}$ • مساوات (سالنامہ) ۲۷۱ • ادب لطیف (افسانہ نمبر) $\frac{271}{272}$ • دیدۂ حیرت (ڈھاکے کا ایک گلدستہ) ۲۷۲ • (سالنامہ) سہیل $\frac{338}{344}$ ۳۶۱

▬ دیوان تاباں $\frac{369}{375}$ ▬ کلیم عجم $\frac{244}{248}$، $\frac{375}{384}$ ▬ خطبات گارساں دی تاسی (مترجمہ داس مسعود وغیرہ، مرتبہ عبدالحق) : دی تاسی، عبدالحق اور شیخ چاند کے اغلاط $\frac{233}{238}$ ▬ نکات الشعرا (مرتبہ عبدالحق) (توصیفی تبصرہ) $\frac{92}{94}$ ▬ دریائے لطافت (مرتبہ عبدالحق و ترجمہ کیفی) $\frac{79}{82}$

▬ دیوان معروف دہلوی (مرتبہ عبدالماجد بدایونی) : تصحیح متن ۶۸، ۱۱۴، ۱۳۴، ۱۹۴، ۲۶۸، ۳۰۷

▪ سحر بنگال (طاہرہ دیوی شیرازی) $\frac{83}{85}$ ▪ افکار عصریہ (گبسن - مترجمہ نصیر عثمانی) $\frac{90}{91}$

▪ حبش اور اطالیہ (مرتبۂ اختر حسین رائپوری) ۹۱

▲ یوسف الدین بلخی کا مضمون، "ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد" : تعارف ۱۳۹ ▲ معین الدین دردائی کا مضمون "حیدرآباد کے کتبخانوں میں اُردو کی بعض قلمی مثنویاں" : تصحیح ۳۶۱

مختلف مباحث : ترتیب متن : اس روش پر تنقید کہ "قلمی نسخہ صحیح ہو یا غلط مکمل ہو یا ناقص، کاتب کے حوالے ... اب کاتب جانے اور کتاب ...؛ اس سے تو دیوان کا پردۂ گمنامی میں پڑا رہنا بہتر ہے" ۶۹؛ ۷۱ • "ترتیب متن میں اغلاط راہ پا جائیں، تو ان کی درستگی ضروری ہے" ۲۵

• اغلاط طباعت و کتابت کی تصحیح کے لیے غلط نامہ چھپوانے کی روش پر، ۲۷۵ • عربی و فارسی سے مدد لیے بغیر سنجیدہ مباحث پر لکھنا ناممکن ہے، ۲۷۵ • اُردو کے بہترین شاعر: انیس، میر اور غالب کے علاوہ حالی اور اقبال بھی، ۳۵۷ • بعض الفاظ کے بارے میں عندلیب شادانی سے اختلاف یا اتفاق: نمونۂ (اتفاق ہے) ترپنا (پھاندنا) کراہیت (اختلاف ہے) ترجمہ (اصرار نہیں)، تبادلہ (مبادلہ ایکسچنج - تبادلہ ٹرینسفر کے لیے) سونچنا، اکیلے (اتفاق ہے) قبلہ گاہا (اختلاف ہے) ۲۶۴، ۲۶۵ • نصیر احمد عثمانی کے ایک ترجمہ برقاطیسی (= ایکٹرو میگنیٹک) کی تعریف، ۹۱ • قلمی کتابوں کے تحفظ اور فہرست سازی کے بارے میں چند سطریں، ۲۵۷ • ایک فروگذاشت: سالنامہ سہیل کا حسن ترتیب اور اس کی تصاویر اسے دوسرے سالناموں سے ممتاز کرتی ہیں 'معیار' کا تبصرہ ان خصوصیات کو اچھی طرح نمایاں نہ کر سکا ہمیں اس فروگذاشت کا افسوس ہے ۱۳۹ • یہ بیدل کا شعر ہے اس کا کیا ثبوت ہے:

سر اوپر جب کوئی نہیں تو دشمن آپن کیسں ÷ پٹنہ نگری چھاڑو من اب بیدل چلے بدیس، ۳۵۷

• بیدل کا عظیم آبادی ہونا ۲۴۱، ۳۵۸ • بیدل کے استاد ۳۵۸ • سلیمان شکوہ کے بارے میں چند سطریں (بذیل ادبی مضامین) ۲۶۱ • امیر مینائی کے بارے میں (۹ سطریں) ۱۴۲ • غالب و ذوق کی قبروں کے کتبے (بذیل ادبی مضامین) ۱۵۶، ۱۵۷

• مصنف اور مترجم: مصنف بے چارے مترجم کے برابر بھی نہیں سمجھے جاتے اور ان کی دماغ سوزی کی داد اس طرح دی جاتی ہے کہ بعض تراجم کے ساتھ ان کا نام بھی نہیں ہوتا، ۱۲۵ • اسلام اور عورت (نجم الدین جعفری کے مضمون مطبوعہ نیرنگ خیال پر تبصرے کے ذیل میں) ۱۲۲، ۱۲۳ • آل انڈیا اورینٹل کانفرنس: کیا یہ صرف ہندو تہذیب سے متعلق و مخصوص ہوگی، ۱۰۷ • ہندو سوسائٹی کے نقائص کی طرف صدر اورینٹل کانفرنس کا رویہ، ۱۰۷

معیار میں مندرجہ ذیل رسالوں کے مضامین کا ذکر، اقتباس یا ان پر تبصرہ ہوا:

شاہکار، شاعر، الناظر (لکھنؤ)، ہمایوں (لاہور)، ندیم (گیا)، تنویر (کراچی)، اردو (اورنگ آباد)، نیرنگ خیال (لاہور)، ادبی دنیا (لاہور)، ادب لطیف (لاہور)، رفتار اردو، سہیل (علیگڑھ)، جامعہ (دہلی)، کلیم (دہلی)، کنول (اکبر آباد)، معارف، شاہکار، زمانہ (کانپور)، ساقی، مساوات۔

زبان و ادب :- دریائے لطافت : کیفی کے ترجمہ پر تنقید ۷۹/۸۲ • دریائے لطافت حصۂ منطق، مصنفہ قتیل ۱۹۸/۲۰۱ • استفسارات : مصنفِ مغل اور اردو [یعنی نصیر حسین خیال] چند اعتراضات بشکل استفسارات ۲۰۷ • اردو کے بعض تاریخی ماخذ : ابواللیث صدیقی کے مضمون مطبوعہ 'سہیل' پر تنقید ۲۲۶/۲۲۸ • 'یوپی میں اردو' : انتظام اللہ صدیقی کے مضمون (مطبوعہ 'کنول' اکبرآباد) کے اغلاط ۱۳۲/۱۳۳ • بہار اور اردو شاعری : معین الدین دردائی کے مضمون (مطبوعہ سہیل علی گڑھ) کے اغلاط، ۲۳۹-۲۴۴ • صفیر بلگرامی اور دریائے لطافت ۵۳/۵۵ • علی بخش دعا کے بارے میں (آرزو جلیلی کے مضمون مطبوعہ 'ادبی دنیا'، کا ذکر کرتے ہوئے) ۲۳۱ • دیوان جوشش ۴۷/۵۲، ۲۱۰، ۶ ــــ اشتہار : کہ دیوان عنقریب شائع ہو جائے گا، ۳۸۴ کے بعد میر کمال علی کمال کی مثنوی اردو کے اقتباسات ('ندیم' گیا سے منقول) مع تبصرہ، ۱۲۸ • شتاب رائے : ابوظفر ندوی کے مقالہ کے اغلاط (مطبوعہ 'ندیم' بہار نمبر ۳۵ء پر تبصرہ کے ذیل میں) ۸۶/۸۷ • شیخ چاند کے اغلاط خطبات گارساں دی تاسی کے حواشی ۲۳۷/۲۳۸ • دی تاسی کی تعریف میں ۲۳۳/۲۳۴ • دی تاسی کے اغلاط ۲۳۴/۲۳۷ • دیوان دوم معروف (قلمی) ۱۹۴/۱۹۸

علمی تنقید : سیماب اکبرآبادی کی شاعری پر • معروف (الٰہی بخش) کے رنگ کلام پر ۶۸ (پہلا پیراگراف)

مختلف کتابخانوں کی قلمی کتابوں سے حاصل شدہ نوادر :

غالب : • غالب کے متعلق تحقیقات کے سلسلے میں بعض مطلوب کتابیں (استفسارات) ۳۸۴ • غالب نے قدسی کی طرف جو شعر (دگر دارد) منسوب کیا وہ کس کا ہے (استفسار) ۳۸۴

• رباعی شیخ علی حزیں (فارسی) بنام تیج نرائن برادر رام نرائن موزوں ۲۵۴ • شرف جہاں قزوینی کا ایک شعر (فارسی) ۱۱۶، ۳۶۱ • کلام سلیمان شکوہ ۳۱۱ (۲۷۶ تعارف) • کلام رافت شاگرد جرأت ۳۱۱ (۲۷۶ تعارف) • کلام طالب رام پوری ۳۱۱، (۲۷۶ تعارف) • مثنوی میر حسن ۱۲ - مثلثات میر حسن، ترکیب تضمین، ایجاد میر حسن ۱۳ - ۱۱۲ مثنوی میر حسن در تہنیت عید ۱۴۴ (۲۵۰، ۲۷۶ تعارف) • مثنوی در وصف قصر جواہر، از میر حسن ۲۵۱، ۳۰۵ • بہبہانی کے مرآۃ الاحوال کے ایک اور نسخے کی روشنی میں بعض تصحیحات ۳۶۱

مخمس مصحفی • استغاثہ بجناب آصف الدولہ • غزل آصف الدولہ دجواب شمس النسا بیگم ۱۰۴، ۱۱ • غزلیات سراج و ممنون و شمشیر (ایک ایک غزل) ۱۱۴ • کلام دل عظیم آبادی ۱۱۷ • کلام سید محبوب شیر صولت عظیم آبادی (فارسی) ۱۱۷

• غزل میرزا غالب (کہوں یا نہ کہوں، ماخوذ از دیوان معروف) ۹۵ • غالب : اشعار غیر مطبوعہ، ماخوذ از تذکرۂ سرور ۲،۴، ۱۳۹ • غالب کے دو لطیفے (پنج آہنگ سے) ۳۴۳ پنج آہنگ (ایک قدیم ایڈیشن کا تعارف) ۳۲۱/۳۲۳ ، ۲۷۶ • تذکرہ سرور اور غالب ۳۲۵ • سراپا سخن اور غالب ۳۲۴ • پنج آہنگ ۲۷۶ (دو سطریں) • میرزا غالب کے متعلق ایک قدیم اخبار 'احسن الاخبار' بمبئی ۴۴ء ۱۸ کا اقتباس ۹۵/۹۶

انجمن ترقی اردو : انجمن ترقی اردو کی تنظیم جدید کے سلسلے میں (اداریہ) ۲۵۰
• انجمن ترقی اُردو کے سہ ماہی 'اُردو' کی خدمات پر ۳۰ • انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار: ص ۳۸۴ کے بعد (ٹائٹل کی پشت پر) • انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار کی ایک شاخ ۲۷۴ • لاہور کی ایک انجمن : انجمن اُردو پنجاب : کیا انجمن ترقی اُردو سے اس کا الگ رہنا مناسب ہے؟ (اداریہ) ۱۹۳، ۲۵۰ • اُردو کی جانب گاندھی جی کے معاندانہ رویہ پر تبصرہ (اداریہ) : پس چہ باید کرد : اُردو کے مسائل سے انجمن کیسے نبٹے : ایک کانفرنس کے لیے ضروری مسائل کی تفصیل (اداریہ) ۲۵۰ • اُردو کا مسئلہ ۱۳۸ متحدہ ہندوستان کا خواب، گاندھی جی کانگریس کی پالیسی اور اُردو ۱۳۸۔

زبان کا مسئلہ : اردو ہندی ہندوستانی ۲۵۰ • اُردو کا مسئلہ : گاندھی؛ عبدالحق ۱۳۸۔

لسانیات : بہار کی اردو شاعری : تبصرہ ۲۳۹/۲۴۴ • اُردو کے بعض تاریخی ماخذ (ابواللیث صدیقی کے ایک مضمون پر تبصرہ) ۲۲۶/۲۲۸ • گیارھویں صدی کی اُردو کا نمونہ : بہار کے عمادالدین قلندر کی طرف منسوب رسالہ صراط مستقیم معروف بہ سید ھا رستہ کے بارے میں ایک نوٹ ۶۳، ۶ • یہ رسالہ تمنا عمادی کی تحقیق کا نتیجہ تھا جسے معیار نے شائع کیا لیکن شبہ کے ساتھ کے اعتراضات • 'نورچشمی' (سید رضا قاسم کے جواب میں) ۲۶۴ • چند اعتراضات (عندلیب شادانی' ۶۳/۶۷ • زبان کے بارے میں کے جواب میں ۲۱۱/۲۱۲ • دریائے لطافت، حصہ منطق ، نوشتہ قتیل : مصطلحات علمیہ کو ٹھیٹھ ہندی میں ترجمہ کرنے کی پہلی کوشش ۱۹۸/۲۰۱

اشخاص : آغا شاعر کی نظم پر چند سطری تنقید ۲۷۰ • **آرزو جلیلی** — کلیات
علی بخش دعا پر آرزو جلیلی نے ادبی دنیا ۱۰ فروری میں لکھا ہے، ۲۳۱ — 'ادبی دنیا' جنوری ۳۵ء
میں مطبوعہ جلیلی کے مصطلحاتِ علمیہ کی تعریف' ۹۰ — راسخ کے حالات لکھ رہے ہیں، کلیات کا انتخاب بھی
شائع کرنا چاہتے ہیں' ۲۶۶ — آرزو جلیلی کے مضمون 'اندر سبھا' کے بارے میں' ۲۵۶ • **ابوبکر**
شیث فاروقی نے میر حسین شاہ حقیقت کی قلمی کتاب 'ہشت بہشت' ترجمۂ ہشت بہشت' دریافت
کی ہے' ۱۸۶ • **اختر حسین رائپوری** : مبلغانہ رنگ پر اعتراض — بشیر احمد میاں، ۱۲۵ •
اختر کی نظم پر دو سطری تنقید' ۲۷۰ • **ایم اسلم** کے افسانہ پر تبصرہ' ۲۷۱ - ۲۷۲ • **پریم**
پجاری (عندلیب شادانی) اور عروض' ۵ • **تمنا عمادی** (سید بہار ستہ، مخطوطہ خانقاہ عمادیہ
سے ملا' ہم نے اپنے شبہات (خدشے) سے انہیں آگاہ کر دیا ہے • **تمنائی** : "بیلیاس اور
میلسانڈ" میترلنک کے ڈرامے کا ترجمہ جناب تمنائی نے کیا جوان کے مقدمے کے ساتھ 'ادب لطیف'
میں چھپ چکا اور کتابی صورت میں چھپ رہا ہے • **تاجور نجیب آبادی** کی شاہکار کے سالنامہ
پر تبصرہ کے ذیل میں، خاصی تعریف)' ۲۷۰ • **جارج بنجم** کی وفات' ۱۰۵
جوش ملیح آبادی پر ۱۲۱؛ ۱۲۴/۱۲۵ • **جوش** (سلطان حیدر) — افسانے کی تعریف ۲۳۹
حبیب الرحمٰن (حکیم) — "ثلاثہ غسالہ، کشف الظنون کے طرز پر لکھ رہے ہیں" انجمن
سے شائع ہوگی — حکیم صاحب نے بہار میں شعرا کی فہرست بھی ہے جن کا کلام 'نتیجۂ سخن'
میں ملا ہے، یہ ستمبر کے 'معیار' میں شائع ہوگا" (ستمبر کا معیار کبھی نہ نکلا!)' ۳۰۰ • **حجاب امتیاز**
علی کے بارے میں' ۱۲۲ • **حسن عسکری** (سید) — 'دیوان ہمایوں' دریافت
کیا ہے ۱۸۶ • **خیال** (ریاض حسن خاں) دیوان معروف کی تصحیح میں ان سے مدد ملی ہے۔
حسن کی مثنوی کی قیاسی تصحیح میں جناب اجبال سے مدد ملی" ۲۵۰ • **خیال** (نصیر حسین)
— مصنف 'مغل اور اردو' سے چند استفسارات گویا اعتراضات' ۲۷ • **دردائی** (معین الدین)
— ان کے مضمون 'حیدرآباد میں قلمی مثنویاں' میں بہت سے اشعار غلط معلوم ہوتے ہیں ۱۱۹ —
ذاکر صاحب ('در سہیل') کی تعریف — مطبوعہ سالنامہ سہیل' پر تبصرے کے ذیل میں ۲۳۹ • **رشید**
احمد صدیقی (سہیل پر تبصرے کے ذیل میں) کی تعریف ۲۳۸ — (نیرنگ خیال پر تبصرے کے ذیل میں) ۱۲۳

• راجندر پرشاد کے خطبے کے طویل اقتباسات اور تعریف ۲۶۶/۲۶۸، ۲۶۹ • راشد الخیری (مرحوم) ۱۰۶، ۲۶۶/۲۶۹ رامون میریا دل وال انکلان کی وفات ۱۰۶ • سجّاد انصاری کی تعریف (سہیل' پر تبصرہ کے ذیل میں) ۲۳۸ • سلیمان ندوی (سید) پر ۸۶؛ ۱۳۵ • سیّدین (خواجہ غلام السیّدین) سے کے مضمون حالی کی مصلحانہ شاعری' کا طویل اقتباس ۱۲۷، "سالنامہ شاہکار کے طبع زاد افسانوں میں خواجہ غلام السیّدین کا افسانہ' قانونی مجرم' خصوصیت کے ساتھ قابلِ داد ہے۔ خواجہ صاحب نے غالباً افسانہ نویسی کے میدان میں حال ہی میں قدم رکھا ہے لیکن انداز کہنہ مشقوں کا ہے' ۲۷۰ • عبد الحق: اولین پرچے میں تصویر (ص ۸ کے مقابل) نوٹ ۸۰ — ان پر تنقید' ۲۳۶ - • عبد الحمید (حکیم): ذوق کی قبر بنوائی ہے ۱۸۶ • عبد الستار صدیقی کی مضمون از سہیل کی تعریف ۲۳۹ • عرش گیاوی' ضمیر احمد (م جولائی ۳۶) ۲۷۸ • عرشی (امتیاز علی) — نوابان رامپور کے نام' غالب کے خطوط کی جمع و ترتیب میں لگے ہیں ۸، ۵، ۱۳۸ • فرحت اللہ بیگ: ان کے افسانہ کی تعریف ۲۷ • صولت عظیم آبادی (چند سطریں) ۱۱۳/۱۱۴ • عندلیب شادانی کے چند اعتراضات اور انکے جوابات ۲۶۴/۲۶۵؛ ۳۱۰/۳۱۴؛ ۲۰۲/۲۱۴ • طاہرہ دیوی شیرازی: کیا یہ مؤلف کی ذہنی مخلوق ہیں (سحر بنگال' پر تبصرہ کے ذیل میں) ۸۳/۸۵ • فلک پیما کی تعریف ۱۲۴ • فیاض محمود کی غیر معمولی تعریف ۱۲۴ • قاضی عبد الودود: انجمن کے لیے دیوان جوشش، مثنویات مصحفی اور تذکرۂ میر حسن ایڈٹ کر رہے ہیں ۱۱۲ • کپلنگ کی وفات' ۱۰۵ • منصور احمد: ان کی کتاب' دنیا کے بہترین افسانے' دوسری بار آرہی ہے ۱۱۲ • مہیش پرشاد (مولوی) ۲۷۶، میر علی کی کتاب کا ترجمہ کر رہے ہیں ۱۱۲، • نظام الدین (ابوالعلم) تصویر؛ مضمون انگریزی میں لکھا تھا۔ ہم جناب ممدوح کے ممنون ہیں انہوں نے ہماری درخواست پر اس کا ترجمہ کر دیا ۲۶۲ • وحید مرزا: خسرو کی ہندی شاعری (اقتباس: ماخوذ از حالات و تصانیف خسرو مصنفہ وحید مرزا) ۲۱۳/۲۱۶ • وصی احمد بلگرامی کے بارے میں رائے' ۸۷-۸۸۔

مقالات:

جن کا خصوصی نوٹس لے کر ان کا خلاصہ' ۱۹۳۶ء کے ادبی مضامین' مطبوعات جدیدہ' یا' عالم ادب' کے عنوانات کے تحت درج کیا گیا:

• آرزو جلیلی، کلیات دعا' ۲۳۱ • آل انڈیا اورینٹل کانفرنس میسور کے مقالات کی فہرست

۱۰۱/۱۰۲ • ابو اللیث صدیقی: اُردو اور اس کے بعض تاریخی ماخذ ۲۲۶/۲۲۸ • احمد اللہ (حکیم سید) میر صاحب کی اصلاحیں ۲۳۱؛ بیدل عظیم آبادی ۳۵۷ • اسحاق الم (محمد): چغتائی صاحب سے ایک استفسار ۲۳۰ • اعجاز حسین: جدید اردو شاعری کی خصوصیات ۲۵۸ • افسر امروہوی: مصحفی کا قیام دہلی ۱۰۴-۱۰۴، منور خاں غافل لکھنوی، ۲۳۰ • انتظام اللہ صدیقی: یوپی میں اُردو ۱۳۲/۱۳۳ • تاجور نجیب آبادی: تاریخ اردو زبان ۱۳۳ • تبسم (صوفی غلام مصطفیٰ): غالب کے اُردو کلام کی چند نمایاں خصوصیات ۱۰۳/۱۰۴؛ غالب کا تصور حسن و عشق ۱۳۳ • تمکین کاظمی: اُردو کا پہلا گلدستہ جسے ایک خاتون نے جاری کیا • تنہا، محمد یحییٰ: قربان علی بیگ سالک (خلاصہ) ۳۵۷ • جاں نثار حسین اختر علیگ ابن مضطر: مضطر خیر آبادی ۲۲۸ • حسن نظامی: مرقد غالبؒ مرقد ذوق کے بارے میں ۱۸۶، ۲۵۹/۲۶۰؛ ذوق کا حلیہ، غالب کا حلیہ ۲۵۹ • حمید عظیم آبادی: شاد و صفیر ۳۵۸/۳۵۹ • درد ائی (معین الدین): بہار اور اُردو شاعری ۲۲۸/۲۲۹؛ ۲۳۹ • ذاکر حسین: حالی محب وطن کی حیثیت سے ۲۲۹ • راشد (ن-م): اردو ادبیات پر غالب کا اثر ۹۹/۱۰۱ • رضا قاسم (سید): اُردو کے یوروپین شعرا ۲۲۱ • زور، سید محی الدین قادری: اُردو کے آغاز اور ماخذ کے بارے میں بعض غلط فہمیاں ۲۵۸ • زین العابدین: قصہ رضوان شاہ' ۲۶۱ • ساغر جعفری: اُردو شاعری پر ادب انگریزی کا اثر ۲۲۹ • سجاد انصاری: روز جزا (ڈراما) ۲۳۸/۲۳۹ • سیدین (= خواجہ غلام السیدین): حالی کی مصلحانہ شاعری' ۱۲۹ • سیماب اکبر آبادی: سحر معنی - غلام امام گوپاموی' م - ۱۹۴۴ء کی مثنوی، ۱۳۲ •

• شاغل (= سید شاہ عطاء الحق شاغل فریدی بہاری) مضطر علیہ الرحمۃ، ۱۰۱/۱۰۲ • طٰہٰ اشرف (سید محمد): اردو نثر کے ارتقا میں ارباب بہار کا حصّہ ۳۵۸ • عامر عباس (میر محمد): اُردو کی تاریخ اور حالت (: اُردو سے ہندوؤں کی نفرت پر مناظرانہ مقالہ) ۲۲۹ • عظیم بیگ چغتائی: میر انیس و فردوسی (انیس کے بہت سے اشعار فردوسی کے ہوبہو ترجمہ ہیں) ۲۲۰

• عبد الحق: — سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ دو رنیکلر یونیورسٹی، ۹ — گلدستۂ رنگین، سعادت یار خاں رنگین کی مثنوی، ۹ — ایک ہندی شعر اور اردو شعر پر مولانا حالی کا محاکمہ، ۹ — خطبۂ صدارت شعبۂ اُردو' انجمن حمایت اسلام لاہور' ۱۹۱/۱۹۲ • عبد الرؤف (حافظ سید): میر کمال علی شاہ المتخلص بہ کمال

اور ان کی مثنوی اردو، ۱۳۰/۱۳۲ • عزیز احمد: غدر سے پہلے کی اردو شاعری پر ہندستانی تمدن کے زوال
کا اثر، ۹۷/۹۸ • عشرت لکھنوی: جان عالم ۲۶۱ ——— جلیس مانی ۱۲۷/۱۲۸ — تعلیم اردو ۲۳۲
• غوث (محمد): کتبخانہ دفتر دیوانی حیدر آباد میں کرناٹک کی تاریخ کے مخطوطات، ۱۳۰ • قادری
(حامد حسن) اردو شاعری کے ادوار پر، ۱۰۲ • قاضی عبد الودود: کلام جوشش عظیم آبادی ۱۱۰
• کیفی (دتاتریہ) تاریخ اردو کا مطالعہ، ۹۸/۹۹ — غالب کی شخصیت اور اردو ادب میں اس کا
مرتبہ، ۲۶۰ • مجیب (محمد): ہندستانی ڈراما • مرتضیٰ حیدر نقاد (سید): مصنف سیر المتاخرین
کی آل اولاد، ۲۳۱ • مسعود حسن رضوی: دیوان افسوس، ۲۵۸ • نظام الدین، ابو الحلم:
خطبۂ صدارت شعبۂ اسلامیات، آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، ۱۸۷/۱۹۰ • نیاز احمد ترمذی: لاہور قدیم کا
علمی و ادبی حلقہ، ۱۲۸ ——— عہد شاہجہانی کا علمی و ادبی حلقہ ۱۲۹/۱۳۰ • ہندستانی اکیڈیمی میں جو
مضامین پڑھے گئے، ان کی فہرست ۱۱۱/۱۱۲ • وقار عظیم: شاعری پر مقامی خصوصیات کا اثر، ۱۰۱
• ولی الرحمن (شاہ): غالب و اقبال، ۱۰۲/۱۰۳ • یاس یگانہ چنگیزی: خواجہ آتش، ۹۸
• یوسف حسین خاں: نظام الملک کے آبا و اجداد ۲۵۸۔

شعر/ مصرع کا استعمال: اقبال کے شعر/ مصرع کا استعمال، ۲۷۵
ع "جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں انہیں مذاق سخن نہیں ہے" ۲۷۵ • غالب کے شعر/ مصرع کا استعمال: ۳۰
ع "ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے" • حسرت موہانی کا شعر ۱۲۴ • فارسی اشعار کا استعمال:
ع بسپردم تو مایۂ خویش را + تو دانی حساب کم و بیش را۔

یوروپی ادب و نفسیات کے حوالے: اناطول فرانس کا ایک قول (دو سطر):
فائدہ کی بات: ۲۷۵ (کتابوں کے لکھنے سے کرم کلّے کی کاشت کرنا زیادہ فائدہ مند ہے") • پیرلوتی،
۱۲۲ • جان میسفیلڈ ۱۰۵ • فرانک وائش یوبر آنس، ۳۰ • ارسل پروست، ۳۱ • جورج ایلیٹ ۸۲
• ژوردژساں ۸۳ • پیرلوئی ۸۳ • پیر آزاں ۸۵ • موپاساں ۸۵ • دولٹر پیٹر ۸۷ • فرائڈ ایڈلر ینگ ۸۶

ادب کے بارے میں: ادب کی وسعت (اسکوپ): اتنی قدر وسیع جس قدر انسانی زندگی؛ ادب کہ "بکتا
میں انسان ہوں"، ۲ • ادب کی اہمیت قومی زندگی میں ۳ • تخلیق حسن/ تبلیغ عقاید سے زیادہ مقدم • ادب کا دوسرے
علوم سے ناگزیر واسطہ: نفسیات، فلسفہ، تاریخ، ۶ • تخلیقی ادب کی اہمیت پر، ۶ • ہم کس قسم کے

ادب کے خواہاں ہیں : (i) اجتہاد کو تقلید پر ترجیح ، (ii) قواعد فن منزل من السما ، نہیں (iii) غلبہ یافتہ جماعتوں کو ادب کو اپنی اغراض کے تابع بنانے کی کوشش کرنی چاہیے (iv) ، فن کار کی آزادی ۳ • اہم الفاظ صنعت کار (= فنکار) ' ۳ • ذوقیات و معنویات ، ۳

ادبی تنقید • تنقید میں توازن کی مثال ؛ دیوان 'تاباں' ، مرتبہ عبدالحق پر تبصرہ ۳۶۹/۳۷۰ • پنڈت کیفی کے ترجمہ دریائے لطافت پر ، ۷۹ • سحر بنگال ' از طاہرہ دیوی شیرازی پر تبصرہ ۸۳/۸۵ • خالص ادبی تنقید کی مثال : سیماب کے دیوان ' کلیم عجم پر تبصرہ ۳۷۵/۳۸۴ • **قاضی صاحب کی ۱۹۳۶ء کی طرز انشا کے لیے** : 'ضروری گزارش : پہلا پیراگراف (پہلا پرچہ) ، الف' معروضات' ۳ - رڈیرڈ کپلنگ ۱۰۵/۱۰۶ • ہجو ، پلیح / طنز (سید سلیمان ندوی پر) ۸۶ • **روش املا** : **ھمزہ** لکھنا صحیح نہیں (ہوے ، ہوی ، کیجیے ، چاہیے ، لیے میں) ، پہنچا (نہ کہ ' پہونچا ') • ہاے مختفی لکھنا صحیح نہیں (انگریزی یا ہندی لفظ کے اختتام پر) اغلاط مونث نہیں مذکر ہے : ۲ • **اعلام کا ترجمہ کرنے کی روش** : عجائب خانہ برطانی ۴ • **تحریر پر انگریزی طرز فکر کا اثر** ' راموں کی وفات شنہ ۱۰۷۵/۱۰۷

افسانے : • ایک ہونہار نوجوان (طبع زاد افسانہ) ۲۷۹ • واپسی (افسانہ ' از ولیم گرہارڈی - ترجمہ) ۲۸۴ • عیاریاں (افسانہ ، از د- دجیکبس ، ترجمہ) ۲۸۸ • کیتھرین یار (تمثیل / ڈراما ، (از موریس بیرنگ - ترجمہ) ۲۹۸

' معیار ' کے بارے میں : • اندرونی ٹائیٹل پیج پر : انجمن ترقی اردو بہار کا رسالہ (= ایک آدھ بار ' شاخ پٹنہ ' کا رسالہ بھی لکھا گیا) • قواعد معیار ' (جو ہر پرچہ میں پابندی سے چھپتے رہے) : اولین پرچہ میں : ۱۳۶ کے بعد • ضخامت کی اسکیم یوں تھی کہ چھ ماہ ۱۱۲ صفحات اور چھ ماہ ۴۲ صفحات : ۱۱۲ • مرتب قاضی عبدالودود ، معاون : محمد شریف عالم آرزو جلیلی • جولائی - اگست ۳۶ ء مشترکہ شمارہ کا اداریہ ' ۲۷۶ • 'معیار ' کی زبان پر دوسروں کی تنقید کا جائزہ ' ۲۷۵ • 'معیار ' کے تبصروں پر دوسروں کی تنقید کا جائزہ ' ۲۷۵ • معیار کا تعارف : معیار کی ترتیب کی اسکیم ' ۴/۸ (۱) مستقل عنوانات : معروضات ؛ اقتباسات ؛ استفسارات ؛ آثار ادبیہ ، غالب ، اوراق پارینہ ؛ ہماری زبان ، مطبوعات جدیدہ ؛ محکمہ (بمبئی فورم) ؛ ۱۹۳۶ء کے ادبی مضامین ؛ عالم ادب • (۲) افسانے : طبع زاد یا تراجم ؛ تمثیلیں ؛ نظمیں ، شعراے حال کی غزلیں

شائع کرنا ہماری روش کے خلاف ہے]؛ مقالات، تصاویر) ۷۸ • رسالہ کی کامیابی کے لیے چار ضروری عناصر۔ (اولین پرچہ میں: "ضروری گزارش کے عنوان سے) — اوّل: نکالنے والے، جو سرمایہ لگا سکیں۔ دوم: مرتبین — جن میں علم کے ساتھ صحیح قوتِ نقد ہو۔ سوم: قلمی معاونین چہارم: خریدار، جن میں صحیح ذوق پایا جائے۔

• 'معیار' کیوں نکالا گیا (معروضات) ۳ — "معیار کی پہلی جلد مکمل ہو گئی اس میں ۴۸ صفحوں کی کمی ہے، جو اسی سال پوری کر دی جائیگی۔ ہمیں افسوس ہے کہ معیار ابتدائے اشاعت ہی سے وقت پر شائع نہیں ہو رہا ہے۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ستمبر کا پرچہ ستمبر میں نکل جائے اور ہر ماہ وقت پر شائع ہوا کرے۔ اگست کا پرچہ معیار ۱۱۲ کے بجائے ۱۲۰ صفحات پر شائع ہوگا۔" (لیکن ستمبر کا معیار پھر کبھی نہ نکلا اور آخری پرچہ ثابت ہوا)

• 'معیار' کے غلطنامہ شائع کرنے کی روش پر تنقید کا جائزہ' ۲۷۵۔

اشتہارات: (۱) مطبوعات شاد بکڈپو، پٹنہ (۲) دیوان جوشش: عنقریب شائع ہو جائیگا (۳) اصلاحیہ بک ڈپو، پٹنہ

••

دوسرے مضمون نگار

مصنف وار اشاریہ :۔

آرزو جلیلی : سکون (تمثیل، از منتر لنک)، ۳۰
• مثنوی مادرِ ہند، از شاد عظیم آبادی پر تبصرہ، ۸۸ • اشعارِ میر : مرتبہ عبدالمنان بیدل پر تفصیلی تبصرہ، ۱۱۹ • اشعارِ مومن، مرتبہ عبدالمنان بیدل پر تفصیلی تبصرہ ۱۱۹ • مینٹر لنک کے خاموش ڈرامے، ۹، • بدگمانی (مولیئر کے ڈرامے کا ترجمہ) ۱۷۰ • حسن رائگاں (موپاساں کے افسانے کا ترجمہ) ۱۴۸ • میکسم گورکی : تعزیتی نوٹ، ۲۷۸ • اندر سبھا کے متعلق چند غلط فہمیاں، ۳۵۰ • علی بخش دعا (ادبی دنیا میں شائع شدہ مضمون کا خلاصہ) ۲۳۱/۲۳۲ • سیماب اکبر آبادی کے مقدمہ، مادرِ ہند، مصنفہ، شاد پر تنقید ۸۸/۸۹ -

• اعجاز حسن خاں : امیر مینائی اور ان کی یادگار ایک مرقع، ۱۴۰ • میرے خاندان سے تعلقات، کی تفصیل مع تذکرہ ۱۴۰/۱۴۲ ◉ اعجاز بستوی : گوتمی کے پلاٹ یا ترجمہ پر اعتراض (۴ سطر میں) ۳۱۲، بیدل (عبدالمنان) : نظام الدین کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ، ۳۳۴ ◉ پریم پجاری = عندلیب شادانی ◉ تماشائی = قاضی عبدالودود ◉ تمنائی (زبیر احمد) : سانپ (المیروز بیرس کے افسانہ کا ترجمہ)، ۹ ◉ ثمر (عبدالحفیظ) : ندیم (بہار نمبر) پر تبصرہ، ۱۱۵ ◉ دیہات کی جھونپڑی (چیخوف کے افسانے کا ترجمہ)، ۱۶۸ • محکمۂ تعلیم کی درسی کتاب میں مضحکہ خیز اغلاط، ۱۳۶ • سید سلیمان ندوی کے 'ندیم' میں ایک بیان پر اعتراض، ۱۲۵ ◉ حبیب الرحمٰن (حکیم) : بنگالہ کا پہلا گلدستہ "نتیجۂ سخن" ایک بہاری کا ادبی کارنامہ، ۳۲۹ ◉ حسن عسکری (سید) : صوبہ بہار میں قلمی کتابوں کے ذخیرے، ۲۵۵ ◉ حسن نظامی : مرقدِ غالب اور مرقدِ ذوق (اقتباس)، ۱۸۶ • حمید عظیم آبادی : معرکۂ شاد وصفیر (ندیم میں شائع شدہ مقالہ کا خلاصہ)، ۳۵۸، ۳۵۹ • خیال (ریاض حسن خاں) : ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں 'کو' کا استعمال، ۳۶۶ — دیوان معروف میں تصحیح مزید، ۳۶۰ • دردائی (معین الدین) : حیدرآباد کے کتبخانوں میں اُردو کی بعض قلمی مثنویاں ۲۰۴ • بہار اور اُردو شاعری (سہیل، میں شائع شدہ مضمون سے بعض کام کی باتیں) ۲۲۸/۲۲۹ • راجندر پرشاد (بابو) : ہندی ساہتیہ سمیلن کے خطبۂ صدارت کے طویل اقتباسات، ۲۶۶، ۳۴۷ • راشد (ن۔م) اردو ادبیات پر غالب کا اثر ("ادبی دنیا" کے مضمون کا خلاصہ) ۹۹/۱۰۱ • رضا قاسم : 'نورچشمی' صرف عورت ہی کے لیے یا مرد کو بھی لکھ سکتے ہیں ۳۶۴ • سید حسن : سالنامہ ادبِ لطیف، پر تبصرہ ۱۲۶

• سیّدین (= خواجہ غلام السیّدین) : حالی کی مصلحانہ شاعری

(مطبوعہ 'کلیم' دہلی سے طویل اقتباس) ۱۱۹ • سنہا (سچدانند): خطبۂ صدارت ہندستانی اکیڈمی (خلاصہ) ۱۱۰/۱۱۱
• شمس الدین احمد: دیوان ہمایون بادشاہ، ۳۱۳/۳۱۵ • ط اشرف (سید محمد): اردو نثر کے ارتقا
میں ارباب بہار کا حصہ [(۱۹۳۶ء کے ادبی مضامین کے ذیل میں 'ندیم' میں شائع شدہ مقالہ کا خلاصہ) ۳۵۸
• عبدالحق: تصویر، ۸۰ — خطبۂ صدارت انجمن اسلام (اقتباسات) ۱۹۱/۱۹۴ — بھارتیہ ساہتیہ پریشد
کی حقیقت (اس میں خصوصی زور اردو کی طرف گاندھی جی کے غیر ہمدردانہ رویہ پر ہے)، ۲۱۷/۲۲۵ • عبدالستار
صدیقی: 'جز' اور 'جزد' کی بحث ۳۶۲/۳۶۶ — ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں 'کو' کا استعمال' ۳۶۴/۳۶۶
• عرشی (امتیاز علی): غالب کے تین خطوط (غیر مطبوعہ)، ۱۵ • عروج قادری (سید احمد):
غمکدہ (افسانہ از منفلوطی: ترجمہ)، ۲۵/۲۹ • عزیز احمد: غدر سے پہلے کی اردو شاعری پر ہندستانی
تمدن کے زوال کا اثر (خلاصہ)، ۹۷/۹۸ • عطارد = قاضی عبدالودود • عندلیب شادانی: خسرو
کی شاعری پر تنقید (وحید مرزا کی کتاب حالات و تصانیف خسرو کے ایک باب پر)، ۲۱۴ —
معیار کی زبان: الفاظ، تراکیب اور طرق استعمال پر تنقید ۲۱۲/۲۱۳ — معیار کے مضمون نگاروں کا
استعمال کردہ تلفظ الفاظ و محاورات (نمونتہً: کراہیت، ترجمہ بمعنی حال - تبادلہ بمعنی مبادلہ، سونچنا
بمعنی سوچنا، اکیلے بجائے اکیلا، قبلہ گاہی)، ۲۶۴ — ضمیر کے ساتھ حالت مفعولی میں 'کو' کا استعمال ۳۶۶
— شکست پندار (نظم)، ۲۴ — شملہ کی برکھا (نظم) ۱۴۶ — تصحیح ۲۷۴ — انقلاب روزگار (نظم) ۳۰۴
• ل۔ مخمس مصحفی، غزل آصف الدولہ، مثنوی میر حسن (شائع کردہ قاضی عبدالودود) کے متن کے بارے
میں ۲۱۰/۲۱۲ • ق۔و = قاضی عبدالودود • 'مبتدی' = قاضی عبدالودود • 'متعلم' = قاضی
عبدالودود • مجیب (محمد): مکتوب بنام گاندھی جی (جو جواہر لال نہرو نے بھارتیہ ساہتیہ پریشد
کے ناگپور اجلاس میں پڑھ کر سنایا، اور مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون میں نقل کیا) ۲۲۲/۲۲۴ • محمد ادیب =
قاضی عبدالودود • منصور احمد: گومتی (بونین کے افسانے کا ترجمہ) ۱۷/۲۴ • نظام الدین (ابو الحلم محمد):
آل انڈیا اورینٹل کانفرنس شعبۂ اسلامیات کا خطبۂ صدارت ۱۸۷/۱۹۰ — ایران جدید کے ادبی اور عمرانی رجحانات
۳۳۴/۳۴۲ • وحید مرزا: خسرو کی ہندی شاعری ۲۱۴/۲۱۶ • یوسف الدین احمد بلخی باطن: ایک ایرانی مجتہد اور عظیم آباد
(ماخوذ از مرآۃ الاحوال مصنفہ بہبہانی) ۱۸۳/۱۸۵ ۳۲۶/۳۲۸ • '؟' = قاضی عبدالودود۔

••

مُعیار کے لکھنے والے

- آرزو جلیلی محمد شرف عالم: مُجالا (ضلع دربھنگا) کے رہنے والے تھے۔ والد جلیل صاحب وکیل تھے۔ آرزو سائنس کالج پٹنہ میں فزکس کے لکچرر تھے۔ ہم اور وہ دونوں کُل ہند اُردو کانفرنس کے موقع پر عبدالحق صاحب کے لئے بہت سی چیزیں بہار شریف سے لائے تھے نمائش کے لئے۔ ڈاکٹر رشید (تاریخ۔ بی، این کالج) اور قاضی مجاہدالاسلام ان کے اعزہ میں ہیں (عسکری صاحب کی زبانی)۔

- اعجاز حسن خاں: رسول پور کے زمیندار اور ریاض حسن خاں خیال کے بھائی تھے 'معارف' میں اکثر لکھتے تھے۔ امیر مینائی کے خاندان کی تصویر قاضی صاحب کو انھیں سے ملی تھی۔ ان کے والد امیر کے شاگرد تھے۔ امیر بہار آتے تو انھیں کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ امیر کے متعدد خطوط ان کے نام سے ہیں۔

- پریم بچپاری = عندلیب شادانی۔

- تمنّائی (زبیر احمد): "زندہ جبیں" کے مصنّف، تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے، وہاں چندے انجمن ترقی اردو سے وابستہ رہے۔ آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں اور اُردو ٹائپ رائٹر کی تجارت میں لگے ہوئے ہیں۔

- حکیم حبیب الرحمٰن (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۴۷ء) ڈھاکہ کے معروف ادیب، طبیہ کالج ڈھاکہ کے بانی، حکومت سے شفاءالملک کے خطاب یافتہ، قومی تحریک میں شمول کے بعد خطاب واپس کردیا۔ مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے ۵۰ برس پہلے، شعرائے ڈھاکہ، آسودگانِ ڈھاکہ کے مصنف؛ بنگال کے مصنفوں پر ثلاثہ غسالہ مرتب کی تھی، معلوم نہیں چھپی کہ نہیں۔ ہفتہ وار المشرق، اور ماہنامہ جادو (ڈھاکہ) کے ایڈیٹر رہے۔

- عبدالحق: (م ۱۹۶۱ء) اُردو کے معروف ادیب اور انتھک مجاہد، متحدہ ہندوستان میں اور اس کے بعد پاکستان میں انجمن ترقی اُردو کے ناظم اعلیٰ۔

- عبدالستار صدیقی: (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۷۲ء) الٰہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے صدر تھے۔ عربی فارسی اور اُردو کے مسلّم الثبوت عالم تھے، اُردو کے تین چار مستند محققوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ زبان اور املا کے مسائل پر انہیں استناد کا درجہ حاصل تھا، ہندوستانی اکیڈیمی کا رسالہ 'ہندوستانی' بھی عرصہ تک ان کی نگرانی میں نکلا مسلم صدیقی، ان کے صاحبزادے ان کی یادگار ہیں۔

• **عبدالحفیظ ثمر**: چھپرہ کے وکیل عبدالماجد صاحب کے بیٹے، عسکری صاحب کے شاگرد تھے۔ ہائیکورٹ کی مسجد کے متولی تھے۔ (عسکری صاحب کی زبانی)

• **عندلیب شادانی** (وجاہت حسین) (م ۱۹۶۹ء): رام پور میں پیدا ہوئے، فارسی کی اعلیٰ تعلیم اورینٹل کالج لاہور میں پائی اور لندن یونیورسٹی سے پی ایچ، ڈی کیا۔ تقریباً نصف صدی ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ رہے، جہاں وہ صدر شعبۂ فارسی و اُردو اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس کے منصب پر فائز تھے اور استاذ الاساتذہ کا درجہ حاصل تھا۔ پُرگو اور خوش گو شاعر تھے، ناقد اور محقق تھے۔ فارسی اور اُردو پر یکساں عبور تھا۔ 'تحقیقات'، 'دورِ حاضرہ اور اُردو غزلگوئی' اور 'نشاطِ رفتہ' (کلام) ان کی چند کتابوں کے نام ہیں۔

• **عروج قادری** (سید احمد): آجکل جماعت اسلامی کے ماہنامہ 'زندگی' کے ایڈیٹر ہیں۔

• **سید حسن عسکری**: (پ ۱۹۰۱ء) تاریخ ازمنۂ وسطیٰ کے معروف مورّخ۔ پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ سے منسلک رہے۔ رٹائرمنٹ کے بعد پٹنہ میں قیام ہے۔

• **سید رضا قاسم**: مختار تھے، عسکری صاحب کے ہم محلہ تھے۔ یعنی گولکپور میں رہتے تھے، ادب کا اچھا ذوق تھا۔ (عسکری صاحب کی زبانی)

• **سید حسن ایم اے**: سابق صدر شعبۂ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی، اب پٹنہ ہی میں قیام ہے۔

• **حافظ شمس الدین میرٹی** (۱۸۹۶ء ۱۹۷۵ء): پٹنہ یونیورسٹی سے ام، اے، بی، ایل۔ مظفرپور میں اُردو فارسی کے اور کٹک میں قانون کے استاد رہے۔ ۱۹۲۷ء میں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے پٹنہ کالج آئے اور صدر شعبۂ اُردو کی حیثیت سے ۱۹۵۱ء میں ریٹائر ہوئے۔ فروری ۱۹۷۵ء میں انتقال کیا کلام کا مجموعہ 'گلبانگ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے

• **ریاض حسن خاں خیال** (۱۸۷۸ء-۱۹۵۳ء): اعجاز حسن خاں کے بھائی۔ موضع رسول پور ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے اور داغ کے شاگرد تھے۔

• **معین الدین دردائی**: علیگڑھ یونیورسٹی کے ریٹائرڈ، بہار شریف کے رہنے والے، علیگڑھ میگزین کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ان کی تصانیف میں 'جلوے' اور 'تاریخ سلسلۂ فردوسیہ' قابل ذکر ہیں۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو انتقال ہوا۔

• منصور احمد: پنجاب کے مشہور ایڈیٹر اور ادیب۔ اُس وقت ادبی دنیا کے ایڈیٹر تھے ' ہمایون '، ' شاہکار '، وغیرہ کی ترتیب میں شامل رہے، اکبر ز جلیلی سے قریبی تعلق تھا۔

• مہیش پرشاد: صدر شعبۂ اُردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، ' خطوط غالب ' کے مرتّب

• عبدالمنان بیدل: سابق صدر شعبۂ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی، حال مقیم پٹنہ

• ڈاکٹر نظام الدین (حیدرآباد): عربی و اسلامیات کے فاضل عثمانیہ یونیورسٹی اور دائرۃ المعارف سے مدت تک وابستہ رہے۔ قاضی صاحب کے کیمرج کے ساتھیوں میں تھے دسمبر ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا۔

• وحید مرزا: سابق صدر شعبۂ تہذیب اسلامی لکھنؤ یونیورسٹی، بعدہٗ دائرہ المعارف اسلامیہ کے لیے پاک، حکومت کے پروجیکٹ ڈائرکٹر (در لاہور) اکتوبر ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔

• محمد ادیب ایم، اے = عطارد = تماشائی = متعلّم = ' ہ ' = قاضی عبدالودود

• یوسف الدین احمد بلخی: فصیح الدین بلخی کے بھتیجے تھے۔ رانچی کالج میں فارسی کے لکچرر تھے، اچھے شاعر بھی تھے۔ قاضی صاحب کے رشتہ دار تھے۔ ۱۹۶۱ء کے آس پاس وفات پائی۔

قاضی عبدالودود (پ: ۱۸۹۵ء) والد کا نام قاضی عبدالوحید، جو احمد رضاخانی تھے، رسالہ تحفۂ حنفیہ کے مالک و ایڈیٹر تھے، اور ۱۳۲۶ھ میں فوت ہوئے (' معفود ')۔

ابتدائی تعلیم اینگلو محمڈن اسکول (پٹنہ سیٹی) اور اینگلو محمڈن اورینٹل کالج (علیگڑھ) سے منسلک اسکول (ہوسٹل: موریسن کورٹ و میکڈانل ہاؤس) بلگرامی ٹوٹوریل کالج (علیگڑھ) میں پائی۔ میجر سید حسن بلگرامی کے انتقال کے بعد پٹنہ آکر پرائیوٹ میٹرک کا امتحان دیا، انٹر کیا اور بی اے کیا، پھر تحریک ترک موالات میں شامل ہوگئے اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مارچ ۱۹۲۳ء میں تکمیل تعلیم کے لیے انگلستان گئے، جہاں کیمرج سے اکونمکس میں ٹرائی پوس لیا اور لندن سے بیرسٹری کی سند لی۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں واپس آ گئے۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں معیار نکالا۔

••

KHUDA BAKHSH LIBRARY

JOURNAL

17-18

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna